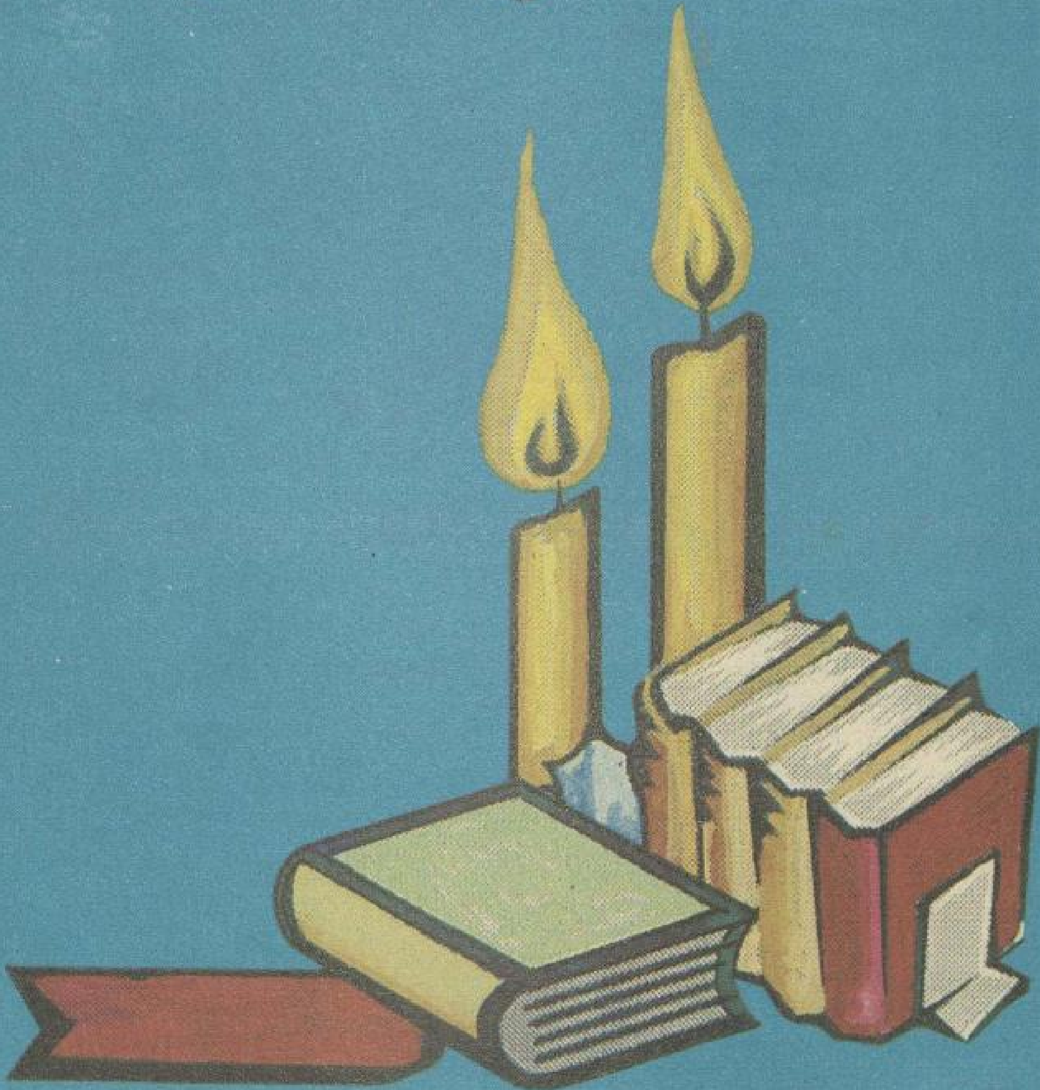
SPECIMEN



اُردو کی ساتویں کتاب

ساتویں جماعت کے لیے

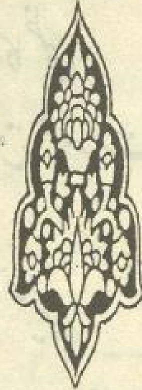


سندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ، جام شورو، سندھ



اُردو کی ساتویں کتاب

ساتویں جماعت کے لیے





سندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ، جام شورو

ناشر

شیخ شوکت علی اینڈ سنز

اُردو بازار - ایم اے جناح روڈ کراچی

تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ
منظور شدہ: وزارت تعلیم (شعبہ نصاب) حکومت پاکستان، اسلام آباد
بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارس صوبہ سندھ

مصنّفین:
پروفیسر عنایت علی خاں ٹونکی
مسز پروین کاظمی
ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاسگنجوی
ساقی جاوید
ڈاکٹر سعدیہ نسیم
محمد ناظم علی خاں ماتلوی

مدیران:
ڈاکٹر عبدالحق خاں حسرت کاسگنجوی
محمد ناظم علی خاں ماتلوی

مطبوعہ: سندھ آفسٹ پرنٹرز، کراچی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے)

حمد

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا
کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا
پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرشِ خاکی
اور سر پہ لاجوردی اک سائباں بنایا
مٹی سے بیل بوٹے کیا خوش نما اُگائے
پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا
خوش رنگ اور خوشبو، گل پھول ہیں اُگائے
اس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستاں بنایا
میوے بنائے کیا کیا خوش ذائقہ رسیلے
چکھنے سے جن کے ہم کو شیریں دہاں بنایا
سورج بنا کے تو نے رونق جہاں کو بخشی
رہنے کو یہ ہمارے اچھا مکاں بنایا
یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چہکتی
قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا
آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے
مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا
ہر چیز سے ہے تیری کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ تو نے کب رائگاں بنایا

محمد اسمٰعیل میرٹھی

مشق

۱- اس نظم کو زبانی یاد کیجیے۔

۲- اس نظم میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کن کن چیزوں کا ذکر کیا ہے؟

۳- مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:

تعریف - فرشِ خاکی - لاجوردی - خوشنما - خوش رنگ - خوشبو - کھنڈر - شیریں دہاں - آبِ رواں - کاریگری - رائگاں۔

۴- نیچے دیے ہوئے لفظوں کی جیسی آواز والے دو دو لفظ اور لکھیے۔

مثلاً: رائگاں	جاوداں	گلستاں
ہماری	______	______
رنگ	______	______
زمین	______	______
پھول	______	______
قدرت	______	______

رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صداقت وامانت

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات تمام خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ آپؐ ہمیشہ بڑوں کا ادب کرتے، چھوٹوں پر شفقت فرماتے، خواتین کا احترام کرتے اور ہر ایک سے حسنِ اخلاق سے پیش آتے۔ آپؐ کی صداقت وامانت کو مکّے کے سب لوگ مانتے تھے۔ اس لیے آپؐ کو صادق اور امین کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ لوگ اپنی امانتیں بھی آپؐ کے پاس رکھا کرتے تھے۔

اعلانِ نبوّت سے کچھ مدّت پہلے کی بات ہے کہ قریشِ مکّہ نے خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کا ارادہ کیا۔ اس تعمیر میں شریک ہونا ہر شخص اپنے لیے سعادت کا باعث سمجھتا تھا۔ لہٰذا تمام قبائل نے اس کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ حتّٰی کہ حجرِ اَسْوَد کو اٹھا کر اس کے مقام پر نَصْب کرنے کا مرحلہ آن پہنچا۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ وہ اس سعادت کو بھی حاصل کرے، یہاں تک کہ نوبت لڑائی جھگڑے تک آ پہنچی۔ یہ دیکھ کر ان میں سے کچھ افراد نے باہمی صلاح مشورے سے یہ طے کیا کہ کل جو شخص سب سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہو اسے ثالث مان لیا جائے اور اس کے فیصلے کو ہر شخص تسلیم کرے۔

خدا کی قدرت کہ اگلے روز سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ آپؐ کو دیکھ کر وہ لوگ بے حد خوش ہوئے اور سب نے بیک زبان کہا "صادق آگئے، امین آگئے، ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حکم دیا کہ ایک چادر لائی جائے۔ چادر لائی گئی تو آپؐ نے اُسے زمین پر پھیلا دیا اور حجرِ اَسْوَد کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اس پر رکھ دیا۔ پھر حکم دیا کہ ہر قبیلے کا سردار چادر کا کنارہ پکڑ کر اٹھائے۔ سب نے مل کر ایسا ہی کیا۔ پھر آپؐ نے حجرِ اَسْوَد کو اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اس کے مقام پر نَصْب فرما دیا۔ اس طرح تمام قبائل اس سعادت میں شریک ہو گئے۔

آپؐ نے زندگی کے ہر معاملے میں صداقت وامانت کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔ آپؐ نے نوجوانی میں تجارت بھی فرمائی۔ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا مالِ تجارت کی غرض سے آپؐ کے

سپرد کیا اور اپنا ایک تجربہ کار غلام بھی جس کا نام مَیسَرہ تھا، آپؐ کے ہمراہ کر دیا۔ انھوں نے اس غلام کو یہ ہدایت بھی کی کہ اس سفر کے دوران آپؐ کی تمام باتیں انھیں آکر بتائے۔ اس دوران میں مَیسَرہ نے تجارت کے سلسلے میں آپؐ کی صداقت اور دیانت کو دیکھا اور واپس آکر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انھی باتوں سے مُتاثّر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شادی کا پیغام بھیجا۔

ایک مرتبہ خود کفارِ قریش نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کو علانیہ تسلیم کیا۔ وہ اس طرح کہ جب حضورِ اکرمؐ نے تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں ایک دن کوہِ صفا پر چڑھ کر اہلِ قریش کو بلایا اور پوچھا کہ "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک لشکرِ جرّار آرہا ہے جو تم پر حملہ کرے گا تو کیا تم یقین کرو گے"؟ سب نے بیک زبان جواب دیا۔ "ہاں! کیوں کہ ہم نے آپؐ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا"

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا کافروں کو اس درجہ یقین تھا کہ اعلانِ نُبوّت کے بعد اگرچہ انھوں نے آپؐ کی مخالفت کی، طرح طرح کی اذیّتیں پہنچائیں، اس کے باوجود انھیں آپؐ کی دیانت اور امانت پر پورا پورا بھروسا تھا۔ اسی لیے وہ اپنے مال آپؐ کے پاس امانت کے طور پر رکھا کرتے تھے۔

ابوجہل حضور صلّی اللہُ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھا لیکن اس کے باوجود جب ایک کافر اخنس بن شریق بدر کے موقع پر ابوجہل سے ملا اور کہا کہ اے سردار! یہاں اس موقع پر میرے اور تمھارے سوا کوئی نہیں جو ہماری بات سُنے، تم یہ بتاؤ کہ محمدؐ سچے ہیں یا جھوٹے؟ اُس پر ابوجہل نے بے ساختہ کہا کہ خدا کی قسم محمدؐ سچے ہیں۔ انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن وہ جو دعوت دیتے ہیں، میں اس پر ایمان نہیں لاتا۔

اسی طرح ایک روز قریش کے بڑے بڑے رؤسا جمع تھے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ نضر ابنِ حارث جو ان میں سب سے زیادہ جہاندیدہ شخص تھا کہنے لگا، اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے اب تک تم اس کی کوئی تدبیر نہیں نکال سکے۔ محمدؐ تمھارے سامنے بچے سے جوان ہوئے، وہ تم میں سب سے زیادہ صادق اور امین تھے۔ اب ان کے بالوں میں سفیدی آچکی ہے اور تمھارے سامنے یہ باتیں پیش کرتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ وہ ساحر ہیں، کاہن ہیں، شاعر ہیں، مجنون ہیں۔ خدا کی قسم میں نے ان کی باتیں سُنی ہیں، محمدؐ میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو قیصر روم ہرقل کے نام بھی خط بھیجا۔ یہ خط پاکر قیصر نے حکم جاری کیا کہ عرب کا کوئی رہنے والا مل جائے تو اسے دربار میں حاضر کیا جائے۔ اتفاق سے انھی دنوں عرب کے کچھ تاجر وہاں موجود تھے۔ ان میں ابوسفیان بھی تھے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ قیصر کے آدمی انھی کو دربار میں لے آئے۔ قیصر نے ابوسفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بہت سے سوالات کیے، جن میں دو سوال یہ ہیں:-

قیصر: کبھی تم لوگوں کو ان کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: وہ کبھی عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں؟

ابوسفیان: ابھی تک تو ایسی کوئی بات انھوں نے نہیں کی۔

قیصر کے دربار میں ابوسفیان کے منہ سے بے ساختہ نکلنے والے یہ الفاظ دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و امانت کی گواہی تھی۔ جسے سُن کر قیصر نے کہا: مجھے یقین ہے اگر وہ خدا کے بارے میں جھوٹ بول رہے ہوتے تو آدمیوں سے جھوٹ بولنے سے کب باز رہتے، جبکہ تمھارا کہنا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔

تبلیغ اسلام کے دوران اگرچہ کفارِ مکہ آپؐ کی جان کے درپے بھی ہوگئے تھے مگر آپؐ کی امانت داری پر انھیں اس قدر یقین تھا کہ اپنی امانتیں آپؐ ہی کے پاس رکھتے۔ ہجرت کی شب رسول پاکؐ نے جس امانت داری کا مظاہرہ فرمایا وہ ساری دنیا کے لیے اعلیٰ مثال ہے۔ ادھر کفار آپؐ کو قتل کرنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں، اُدھر آپؐ انھی لوگوں کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کرتے ہیں اور انھیں ہدایت کرتے ہیں کہ لوگوں کی امانتیں لوٹا کر مدینے چلے آنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و امانت داری کی کیا کیا مثالیں دیجیے۔ انسان کو بھلا کیا طاقت کہ آپؐ کے کسی ایک وصف کی بھی مکمل تعریف کرسکے۔ بس ہمیں چاہیے کہ ہم آپؐ کے نقشِ قدم پر چل کر کامیاب زندگی گذاریں۔

مشق

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

١- اہلِ مکہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو صادق و امین کیوں کہتے تھے؟

٢- حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ نے ان سے حضورؐ کی کیوں تعریف کی؟

٣- کوہِ صفا کے واقعے میں کافروں نے حضورؐ کے بارے میں کیا کہا؟

٤- ابوجہل نے اخنس بن شریق کے جواب میں اُس سے کیا کہا؟

٥- نضر بن حارث نے اہلِ قریش سے اپنی تقریر میں رسول پاکؐ کے بارے میں کیا بیان کیا؟

٦- قیصرِ روم نے ابوسفیان کا جواب سُن کر رسولِ پاکؐ کے بارے میں کیا کہا؟

٧- رسولِ پاکؐ کی صداقت وامانت کا کوئی واقعہ اپنے لفظوں میں لکھیے۔

٨- ان لفظوں پر غور کیجیے:

لوگ - بیت - چادر - دن - پہاڑ -

ان لفظوں سے نہ کوئی دوسرا لفظ بنتا ہے اور نہ یہ خود کسی دوسرے لفظ سے بنے ہیں۔ انھیں اسمِ جامد کہتے ہیں۔ آپ بھی ایسے ہی دس لفظ اس کتاب سے تلاش کرکے اپنی کاپی میں لکھیے۔

٩- اعراب لگائیے:

اتفاق - وصف - رؤسا - نضر ابن حارث - متاثر

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت عائشہؓ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کا نام عائشہؓ اور لقب صِدّیقہ تھا۔ حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان کے والد تھے۔ والدہ کا نام حضرت اُمِ رومانؓ، بھائی کا حضرت عبدالرحمٰنؓ اور بڑی بہن کا نام حضرت اسماءؓ تھا۔

ہجرت سے تین برس پہلے حضرت عائشہؓ کا نکاح حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ہوا۔ نکاح اور رخصتی کی یہ مقدس تقریبات نہایت سادگی سے عمل میں آئیں۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مہر میں پانچ سو درہم حضرت عائشہؓ کو دیے۔

بچپن ہی سے حضرت عائشہؓ میں ذہانت کے آثار نمایاں تھے۔ لڑکپن کا زمانہ جو عین تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے، ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ خوش قسمتی نے حضرت عائشہؓ کو حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں پہنچا دیا تاکہ ان کی شخصیت دنیا کی تمام عورتوں کے لیے ہدایت کا نمونہ بن جائے۔

حضرت عائشہ صِدّیقہؓ کی تعلیم و تربیت کا اصل زمانہ رخصتی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ انھوں نے اسی زمانے میں پڑھنا سیکھا، علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ و ادب میں بھی ان کو مہارت حاصل تھی۔ تاریخ و ادب کی تعلیم تو خود اپنے والدِ محترم حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل کی تھی، اور جہاں تک دین کی تعلیم و تربیت کا تعلق ہے تو معلّمِ دین خود ان کے گھر میں موجود تھے۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعلیم و ارشاد کی مجلسیں روزانہ مسجدِ نبویؐ میں منعقد ہوتی تھیں، جو حضرت عائشہؓ کے حُجرے سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ اس درس میں بھی شریک رہتی تھیں۔ اگر کبھی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے گھر میں تشریف لانے پر دوبارہ سمجھ کر تسلی کر لیتیں۔

حضرت عائشہؓ جس گھر میں رہتی تھیں وہ کوئی بلند اور عالیشان عمارت نہ تھی بلکہ مسجدِ نبوی سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا حُجرہ تھا۔ جس کی دیواریں مٹی کی تھیں، کھجور کی ٹہنیوں اور پتّوں سے چھت بنائی گئی تھی اور اوپر سے کمبل ڈال دیا گیا تھا تاکہ دھوپ اور بارش سے محفوظ رہے۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا

ہو کر ہاتھ اٹھاتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا۔ دروازے پر پردے کے لیے ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ گھر کی کل کائنات ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ، آٹا اور کھجور رکھنے کے لیے دو مٹکے، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کے ایک پیالے سے زیادہ نہ تھی۔ راتوں کو گھر میں چراغ جلانا بھی ان کی استطاعت سے باہر تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔ گھر کے کاروبار کے لیے بہت زیادہ اہتمام و انتظام کی ضرورت نہ تھی۔ کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی۔ کبھی تین دن ایک ساتھ ایسے نہیں گزرے کہ خاندانِ نبوّت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو۔ گھر میں مہینا مہینا بھر آگ نہیں جلتی تھی۔ چھوہاروں اور پانی پر گزارہ تھا۔

حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ گھر میں اگرچہ خادمہ موجود تھی لیکن حضرت عائشہؓ آپؐ کا کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں، آٹا پیستیں، کھانا پکاتیں، بستر بچھاتیں، وضو کا پانی لاکر رکھتیں۔ آپؐ کے کپڑے دھوتیں اور جب گھر میں آپؐ کا مہمان آتا تو مہمان نوازی کی خدمت بھی انجام دیتیں۔

نمازِ پنجگانہ اور تہجّد کے علاوہ چاشت کی نماز بھی پڑھا کرتی تھیں، اکثر روزے رکھا کرتیں اور رمضان کے آخری عشرے میں جب حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو اُمّ المؤمنینؓ آپؐ کو ہر قسم کی سہولت بہم پہنچاتیں۔

حضرتِ فاطمہؓ کی شادی کے موقع پر حضرت عائشہؓ نے خاص اہتمام کے ساتھ مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دُھن کر تکیے بنائے اور دعوت میں چھوہارے اور منقّٰی پیش کیے۔ لکڑی کی ایک الگنی تیار کی کہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں۔ وہ خود بیان کرتی ہیں کہ "فاطمہؓ کے بیاہ سے کوئی اچھا بیاہ میں نے نہیں دیکھا"

حضرتِ عائشہؓ بعض غزوات میں بھی شریک رہی تھیں۔ جنگِ اُحد میں جب مسلمان خطرے کی حالت میں تھے اور بہادروں کے پاؤں میدانِ جنگ سے اُکھڑ رہے تھے تو حضرت عائشہؓ مشک کاندھے پر لیے دوڑ دوڑ کر زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کی قناعت پسندی کا یہ حال تھا کہ صرف ایک جوڑا پاس رکھتی تھیں۔ اِسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ اُن کا اخلاق نہایت بلند تھا۔ وہ نہایت سنجیدہ، عبادت گزار اور رحم دل تھیں۔ وہ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتی تھیں۔ اپنی تعریف سننا پسند نہیں فرماتی تھیں۔ عجز و انکسار کے باوجود خوددار بھی تھیں۔ بے حد فیاض اور سخی تھیں۔ خیرات میں تھوڑے بہت کا لحاظ نہ کرتیں۔ جو موجود ہوتا سائل کی نذر

کردیتیں۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے ستّر ہزار کی پوری رقم خدا کی راہ میں دے دی۔ کیا خواص کیا عوام آپؓ سبھی کی ہمدرد، رہنما اور معلّم تھیں۔ آپؓ کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ مشکل مسائل سمجھنے کے لیے آپ کے پاس آتے تھے۔ قرآن اور حدیث کا جیسا علم خدا نے آپؓ کو عطا فرمایا تھا ویسا بہت کم صحابہؓ کو ملا تھا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شعر کا اچھا ذوق رکھتی تھیں — انھیں سو سو اشعار کے قصیدے زبانی یاد تھے۔ مُقرّرہ اتنی اچھی تھیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد خطابت میں آپؓ ہی کا نام آتا ہے۔

۵۸ سنہ ہجری میں رمضان کے مہینے میں بیمار پڑیں، چند روز تک علیل رہیں، سترہ رمضان کو وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جنازے کی نماز پڑھائی — اُن کی وصیّت کے مطابق انھیں جنّت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون)

مشق

۱۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کردار کی خاص خاص خوبیاں کیا تھیں؟

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا حال تفصیل سے لکھیے:

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی کل کائنات کیا تھی؟

۴۔ خالی جگہ پُر کیجیے:

(الف) حضرت عائشہ صدیقہؓ کے والد کا نام .... اور والدہ کا .... تھا۔

(ب) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات .... ہجری میں ہوئی اور وہ .... میں دفن کی گئیں۔

(ج) اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو .... کے علاوہ تاریخ و ادب میں بھی .... حاصل تھی۔

۵۔ ذیل کے الفاظ کے واحد لکھیے:

تقریبات۔ ارشادات، مجالس۔ فضائل۔ حقوق۔ غزوات۔

۶۔ ان لفظوں کو غور سے پڑھیے:

ہوتا۔ سیکھا۔ کرتے۔ ہوتے۔ بتایا

یہ الفاظ، ہونا، سیکھنا، کرنا، ہونا اور بتانا سے بنے ہیں۔ ایسے الفاظ جن سے دوسرے الفاظ بنیں اور اُن میں کسی کام یا حرکت کا بیان ہو۔ لیکن اُن میں زمانہ نہ پایا جائے انھیں "مصدر" کہتے ہیں۔ اس لیے یہ سب الفاظ مصدر ہیں۔

آپ اِن لفظوں کے مصدر بتائیے:۔

آتا۔ ملا۔ پڑھائی۔ دیا۔ ملی۔ رہتی۔ کھایا۔ دیتی۔ دھوتیں۔ کرتیں۔

بدلہ نہ لے سکے

جنگِ بدر میں مٹھی بھر مسلمانوں نے کفارِ مکہ کے لشکرِ جرار کو شکست دے کر ان کا غرور خاک میں ملا دیا۔ قریش کے سردارِ اعلیٰ ابوسفیان نے مکہ پہنچتے ہی جنگِ بدر کا بدلہ لینے کے لیے جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ اہلِ مکہ کی اصل آمدنی تجارت سے ہوتی تھی۔ چناں چہ اس مرتبہ سارا تجارتی منافع اس کام کے لیے وقف کردیا گیا۔ شعراء اور خواتین نے گاؤں گاؤں جا کر مقتولینِ بدر کے مرثیے پڑھے اور لوگوں کے دلوں میں جوشِ انتقام ابھارا اور اسی جذبے کے ساتھ بالآخر ایک دن ابوسفیان کا لشکر بڑے کرّوفر سے بدر کا انتقام لینے مدینے کی جانب روانہ ہوا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچا حضرت عباسؓ نے جو مکہ ہی میں مقیم تھے ایک قاصد کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو کفار کی روانگی کی اطلاع بھیجی لیکن اطلاع اور لشکر ساتھ ہی ساتھ وہاں پہنچے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اپنے ساتھیوں سے مشورہ طلب فرمایا۔ بعض لوگوں نے جن میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبَی بھی شامل تھا۔ شہر میں رہ کر جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن نوجوانوں نے جوش میں آکر کہا کہ ہمیں شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے زیادہ لوگوں کو اس رائے کا حامی پایا تو آپؐ حجرے میں تشریف لے گئے اور زِرہ زیب تن فرما کر واپس آئے، جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ کفار کی آمد کے تیسرے روز نمازِ جمعہ کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ایک ہزار مسلمانوں کو ہمراہ لیے شہر سے نکلے۔ مسلمانوں کی تعداد ویسے ہی کفار کے مقابلے میں کم تھی اوپر سے یہ کہ عبداللہ بن اُبَی بھی یہ کہہ کر اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس مدینے پلٹ گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا اس لیے میں اس لڑائی میں شریک نہیں ہوں گا۔

اب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہمراہ صرف سات سو افراد رہ گئے اور وہ بھی سامانِ جنگ سے پوری طرح مُسلّح نہ تھے، لیکن انھیں اللہ پر پورا بھروسا تھا۔ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجاہدین کی صفیں اس طرح ترتیب دیں کہ اُحُد کا پہاڑ اُن کی پشت کی جانب رہے اور دشمن سامنے تاکہ دشمن پُشت کی جانب سے حملہ نہ کرسکے۔ پہاڑ کی ایک گھاٹی ایسی تھی جہاں سے دشمن حملہ آور ہوسکتا تھا۔ اس گھاٹی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے پچاس بہترین تیر اندازوں کا دستہ اس تاکید کے ساتھ مقرر فرما دیا کہ وہ کسی صورت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو پہلے بہادروں کا انفرادی مقابلہ ہوا جس میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا۔ بعدِ ازاں لشکرِ کُفّار نے عام حملہ کیا۔ مسلمان مجاہدین سامانِ جنگ اور تعداد کی کمی کے باوجود اس بہادری سے لڑے کہ کُفّار کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ چھوڑ کر فرار ہونے لگے۔ مسلمان مجاہدین نے مالِ غنیمت جمع کرنا شروع کیا۔ گھاٹی پر مُتَعَیّنَہ تیراندازوں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ بھی مالِ غنیمت حاصل کرنے دوڑے۔ اُن کے سردار حضرت عبداللہ بن جُبَیر رضی اللہ عنہ' نے انھیں سمجھایا کہ ہمیں رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حکم کی پیروی میں اپنی جگہ نہیں چھوڑنی چاہیے۔لیکن ان کے اکثر ساتھیوں نے سمجھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ اشارہ دورانِ جنگ کے لیے تھا اور اب جنگ کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ چناں چہ حضرت عبد اللہ بن جُبَیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں کو چھوڑ کر باقی تیرانداز مالِ غنیمت جمع کرنے والوں سے جاملے۔

حضرت خالدؓ بن ولید اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔اُن کی نظر سے مسلمانوں کی یہ کمزوری چھپی نہ رہ سکی، وہ چکر کاٹ کر پہاڑ کے پیچھے پہنچے اور اسی گھاٹی سے نکل کر تیر اندازوں کو شہید کرتے ہوئے لشکرِ اسلام پر پشت کی جانب سے ٹوٹ پڑے۔ اِدھر بھاگتے ہوئے کفار نے بھی پلٹ کر حملہ کردیا۔ مسلمان اس دو طرفہ حملہ سے ایسے بدحواس ہوئے کہ آپس ہی میں تلواریں چلنے لگیں۔ لشکرِ اسلام کے عَلَم بردار حضرت مُصْعَب بن عُمَیرؓ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہم شکل تھے۔ ان کی شہادت پر کفار نے شور مچا دیا کہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم قتل کردیے گئے۔ اس خبر سے مجاہدین کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے اور ان کی ہمّت جواب دے گئی۔ جس کا جس طرف منہ اٹھا چل کھڑا ہوا۔ کفار نے اِس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو نرغے میں لے لیا۔ لیکن حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم انتہائی بہادری سے اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ چند صحابہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے گرد حِصار بنا کر کھڑے ہوگئے اور اس پامردی سے لڑے جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ پھر بھی کُفّار کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ وہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو زخمی ہونے سے نہ بچاسکے۔ ایک کافر کی تلوار کے وار سے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خود کی کڑیاں

چہرۂ مبارک میں گڑ گئیں۔ ایک اور کافر کے پتھر سے سامنے کے دو دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ لیکن اس حالت میں بھی رحمتہً للعالمین کی زبان پر بجائے بددُعا کے یہ الفاظ جاری تھے:۔

"اے اللہ میری قوم نادان ہے، اس کے قصور معاف فرما دے۔"

اس دوران لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خدا کے فضل سے بقیدِ حیات ہیں۔چناں چہ ان کے حوصلے پھر سے بلند ہوگئے۔ اب حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اُحدؔ کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ کفار پیچھے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند مجاہدین کے ساتھ مل کر اوپر سے ان پر پتھر برسائے جن سے گھبرا کر کفار واپس چلے گئے۔

اس جنگ میں چند لوگوں کی غلطی سے مسلمانوں کو شدید نقصان اُٹھانا پڑا اور ان کے ستّر ساتھی شہید ہوئے جن میں اہم ترین شخصیت سیدالشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ ابوسُفیان کی بیوی ھندہ نے جس کے باپ عُتبہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر میں قتل کیا تھا، آپ کی لاش کا سینہ چاک کرکے جگر نکالا اور کھانا چاہا مگر نگل نہ سکی اور چبا کر تھوک دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے لاش کو اس حالت میں دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر خاموش ہوگئیں۔

ایک انصاری خاتون نے جب مدینے میں یہ افواہ سُنی کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم شہید ہوگئے ہیں تو وہ بے تابانہ اس کی تصدیق کے لیے اُحدُ کی جانب چل پڑیں۔ راستے میں اُنھیں باری باری اپنے باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی خبر ملی لیکن انھوں نے ہر بار رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب ملا، "الحمد للّٰہ زندہ ہیں" لیکن دِل نہ مانا۔ جب رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑی تو بے اختیار پکار اٹھیں "جب آپؐ خیریت سے ہیں تو پھر کوئی غم، غم نہیں۔"

کفارِ مکّہ اس وقت تو فتح کی خوشی میں مست مکّے کی طرف روانہ ہوگئے لیکن راستے میں ابوسفیان کو خیال آیا کہ یہ فتح تو نامکمل رہی ہے کیوں نہ پلٹ کر اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ اِدھر رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بھی اس بات کا خدشہ تھا۔ چناں چہ آپؐ نے چند مجاہدین کو کفار کے تعاقب میں روانہ فرما دیا تھا۔ جب ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ مسلمان اس کے تعاقب میں آرہے ہیں تو اس نے مقابلے سے بچ کر سیدھے مکّے ہی پہنچنے میں عافیت سمجھی۔ اس طرح گو مسلمانوں کو اُحد کی جنگ میں نقصان اٹھانا پڑا لیکن کفارِ مکّہ جس مقصد سے حملہ آور ہوئے تھے ان کا وہ مقصد پورا نہ ہوسکا۔ یعنی وہ جنگِ بدر کی ذلّت آمیز شکست کا بدلہ نہ لے سکے۔

مشق

۱- گھاٹی کے تیر اندازوں نے اپنی جگہ کیوں چھوڑ دی تھی؟

۲- مسلمان جیتی ہوئی جنگ کیوں ہار گئے؟

۳- اس سبق کو پڑھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی سیرت پاک کے متعلق ایک پیراگراف لکھیے۔

۴- اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

انتقام ، زیب تن ، انفرادی ، نرغہ ، پامردی ، تصدیق ، ذلت آمیز۔

۵- ان الفاظ کے واحد لکھیے:

شرفاء ، شعراء ، قبائل ، اقوام ، کفار

اسم معرفہ: وہ اسم ہے جو کسی انسان، حیوان، جگہ، چیز، وغیرہ کا خاص نام ہو۔ مثلاً حضرت خولہؓ، خالدؓ بن ولید، سلطانہ رضیہ، ٹیپو سلطان، عبدالرحمن، کراچی، حیدر آباد۔

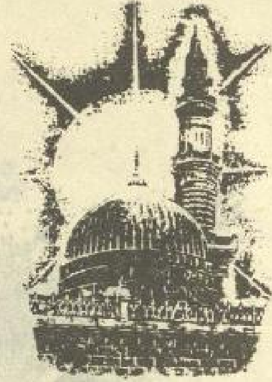
اسم معرفہ کی اقسام: اسم علم، اسم ضمیر، اسم اشارہ، اسم موصول۔

اسم علم میں نام، خطاب، لقب، کنیت، عرفیت اور تخلص شامل ہیں۔

جیسے:

- عبدالرحمن، حیدر آباد، یا قرآن مجید نام ہیں۔
- شمس العلماء، خاتون جنت، خان بہادر یا اخوند خطاب ہیں۔
- مادرِ ملت، سیف اللہ، اسد اللہ یا ابو تراب لقب ہیں۔
- ابو حنیفہ، ابن قاسم، ابو بکر، ابنِ خطاب یا ابن بطوطہ کنیت ہیں۔
- چنو، کالو یا کلو عرفیت ہیں۔
- ادا جعفری ، زیب النساء مخفی ، الطاف حسین حالی ، شفیع الدین نیر، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم میں ادا ، مخفی ، حالی ، نیر ، تبسم تخلص ہیں۔

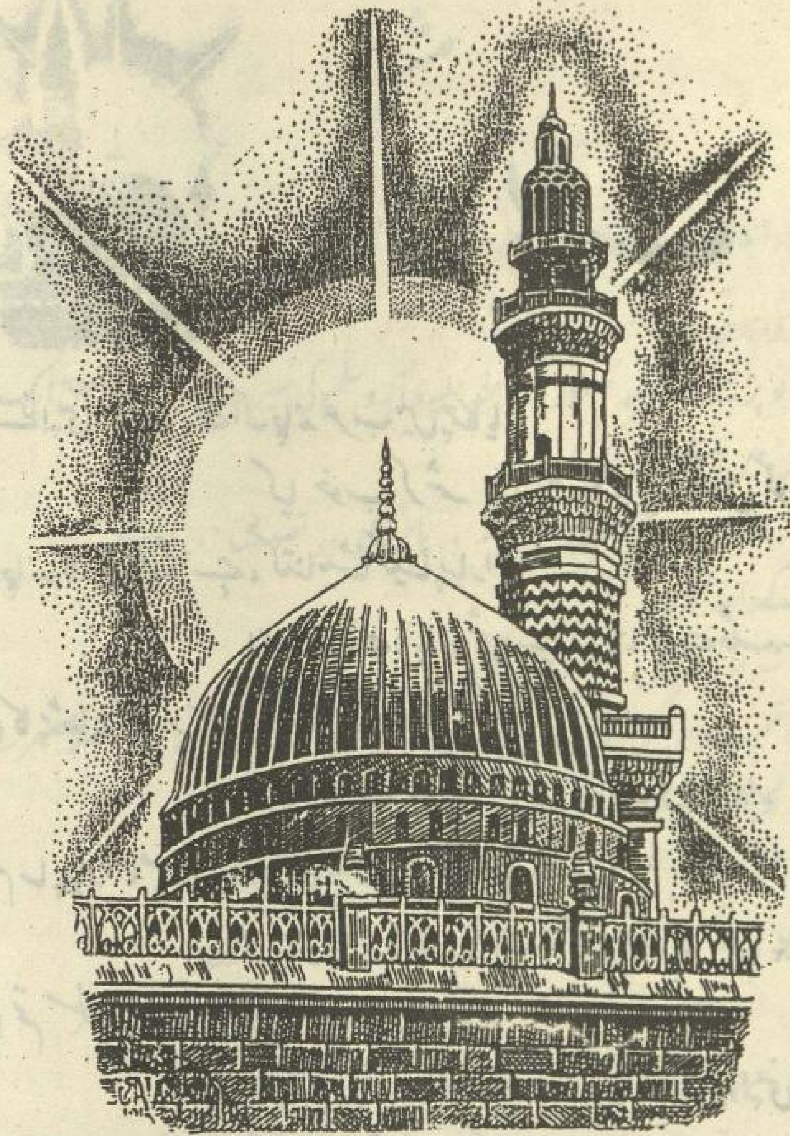
۶- اس سبق میں جتنے اسم معرفہ استعمال ہوئے ہیں انھیں اپنی کاپی میں لکھیے۔



نعت

اللہ نے اپنی رحمت سے اک چاند عرب میں چمکایا
کیا خوب کرشمہ قدرت کا دنیا والوں کو دکھایا!
اس چاند کا نام محمدؐ ہے، کتنا میٹھا کیسا پیارا!
اس نام سے دنیا روشن ہے اس نام سے جگ ہے اُجیارا
نیکی کا پڑھایا ہم کو سبق، دکھائی راہ بھلائی کی!
جڑ کاٹی ساری بُرائی کی، ڈھائی دیوار بڑائی کی
مسلم سا پیارا نام دیا اور دین ہمیں اسلام دیا
ایمان کی بھی دولت بخشی اللہ کا بھی پیغام دیا
فرمایا تم مسلم سارے، آپس میں بھائی بھائی ہو
مِل جُل کے رہو الفت سے سدا، منظور جو اپنی بھلائی ہو
فرمایا دُور کرو سب فکریں تم آفت کے ماروں کی
معذوروں کی، مجبوروں کی، بیماروں کی، بیچاروں کی
فرمایا تم امداد کرو مظلوموں کی، ہتھیاروں سے
دیکھو دنیا میں ظلم نہ ہو ان تیروں اور تلواروں سے
وہ ماہ عربؐ ہی اے نیرؔ اپنا تو جہاں میں سہارا ہے
ہو جائیں فدا اس نام پہ ہم، یہ نام ہی ایسا پیارا ہے

مولوی شفیع الدین نیرؔ



مشق

۱۔ حمد اور نعت کا فرق بیان کیجیے۔
۲۔ شاعر نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے چاند کا لفظ کن کن معنوں میں استعمال کیا ہے؟
۳۔ اس نظم میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جن تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے، انھیں تفصیل سے لکھیے۔
۴۔ اعراب لگائیے:
کرشمہ، محمدؐ، معذور، مظلوم، الفت۔
۵۔ اس نعت کو زبانی یاد کیجیے:

بے مثل سپہ سالار

یہ تین افراد کون ہیں جو بغیر کسی قافلے کی معیّت کے مکّے سے مدینے کی جانب رواں ہیں؟ یہ راستہ تو بڑا پُر خطر ہے، یہاں تو قدم قدم پر قبائلی ڈاکوؤں سے مُٹھ بھیڑ کا اندیشہ رہتا ہے۔ لیکن یہ تینوں افراد جس اطمینان سے اپنا سفر طے کر رہے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں ڈاکوؤں اور رہزنوں کی ذرا پروا نہیں اور یہ اندازہ کچھ غلط بھی نہیں۔ ان تین میں سے ایک شخص وہ ہے جو ایک بہادر باپ کا بہادر بیٹا ہے۔ جس کی شجاعت کی داستان سے صحرائے عرب گونج رہا ہے جو جنگ اُحد میں اپنی جنگی سُوجھ بُوجھ اور بہادری سے مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر کے قریشِ مکّہ کی آنکھ کا تارا بن چکا ہے۔ ہاں ان تین افراد میں سے ایک خالد ہیں، مکّے کے مشہور بہادر سردار ولید بن مغیرہ کے بیٹے خالد.. خالد بن ولید۔

لیکن، لیکن بس دو آدمیوں کے ہمراہ؟ نہ فوج نہ لشکر، کیا یہ تین آدمی مدینہ فتح کرنے چلے ہیں! ان کی چال ڈھال فاتحوں جیسی تو نہیں، ان کا انداز تو فاتحوں کے بجائے مفتوحوں جیسا نظر آرہا ہے۔ جس ڈھنگ سے وہ مدینے کی جانب بڑھ رہے ہیں وہ سر کاٹنے والوں کا نہیں سر جھکانے اور سر کٹانے والوں کا ہے۔ تو کیا خالد بن ولید بھی مکّے کے باطل پرستوں کی صف سے نکل کر مدینے کے حق پرستوں میں شامل ہونے جا رہے ہیں؟ ہاں غزوۂ اُحد کے بعد جب خالد بن ولید نے ٹھنڈے دِل سے اسلام کے اصولوں اور نبی اکرمؐ کے کردار پر غور کیا تو اُن کے دِل نے یہ فیصلہ کیا کہ خدا کی عطا کی ہوئی قوّت و صلاحیّت خدا کے دین کے خلاف نہیں بلکہ اس کی حمایت میں استعمال ہونی چاہیے۔

اس کے بعد خالد بن ولید اپنے دو ہم خیال ساتھیوں کے ہمراہ مدینے پہنچے تو اُن کی آمد کی خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ کچھ دیر بعد وہ مسجد نبوی میں دنیا کے سب سے سچّے اور سب سے بہادر انسان کے سامنے سَر جھکائے بیٹھے تھے۔ اُحُد کا واقعہ یاد کر کر کے سر ندامت سے

جھکتا ہی چلا جارہا تھا۔ "السلام علیک یارسولؐ اللہ"، کہہ کر کلمۂ طیبہ پڑھا۔ اس کے بعد ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی سابقہ اسلام دشمنی کی معذرت کن الفاظ میں چاہیں۔ ہاں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جس شفقت سے سلام کا جواب دیا تھا وہ شفقت حضرت خالد کا دل بڑھا رہی تھی۔ حضور اکرمؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ "آج مکّے نے اپنے جگر کے ٹکڑے ہماری گود میں ڈال دیے ہیں۔" یہ سن کر خالد کے دِل کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو حضرت خالدؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں نے آپؐ کی بے انتہا مخالفت کی ہے۔ آپؐ دُعا فرمائیے کہ میرا یہ گناہ معاف ہوجائے اور.....اور یہ بھی دُعا فرمائیے کہ آئندہ میری قوت اسلام کی خدمت میں صرف ہو۔" حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دستِ مبارک دُعا کے لیے بلند ہوئے۔ حضرت خالدؓ کی نیک تمنا رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مَعِیّت میں جنابِ باریؒ میں پہنچے اور مقبول نہ ہو، کیسے ممکن ہے۔ دُعا مقبول ہوئی اور ایسی مقبول ہوئی کہ خالد بن ولید کو 'سیف اللہ' (اللہ کی تلوار) بنا دیا۔ یہ تلوار جس میدان جنگ میں چمکتی، دشمنوں سے اپنی بہادری کالوہا منواتی، کفر کی طاقت پر قہرِ خدا بن کر ٹوٹتی۔۔ وہ جنگِ حنین ہو یا جنگِ موتہ، جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کا مسئلہ ہو یا عراق وشام کی عظیم فوجوں سے ٹکر، فتح وکامرانی نے ہمیشہ ان کا استقبال کیا۔ تاریخ، حضرت خالدؓ کے علاوہ کسی ایسے سپہ سالار سے واقف نہیں جس نے اتنی جنگیں لڑی ہوں کہ جسم کا کوئی حصّہ زخموں کے نشانات سے خالی نہ ہو، کوئی بڑے سے بڑا دشمن انھیں میدانِ جنگ میں شکست دے سکا ہو، یہ شان قادرِ مطلق نے حضرت خالدؓ سیف اللہ ہی کو عطا کی تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ، کو مشرف بہ اسلام ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ جنگ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس دَور کے حکمرانوں کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ ایسا ہی ایک خط آپؐ نے قیصر روم کے گورنر شرحِ بیل کے پاس بھی بھیجا۔ شرح بیل نے نہ صرف یہ کہ یہ دعوت رَد کردی بلکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پیغام بر حضرتِ حارث رضی اللہ عنہ، کو قتل کرا دیا۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو حضرت حارثؓ کی شہادت کی خبر سے بڑا دُکھ ہوا اور آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، کی قیادت میں تین ہزار، مسلمانوں کی فوج شرحِ بیل کو سزا دینے کے لیے روانہ فرمائی۔ خالدؓ بن ولید اس فوج میں شامل تھے۔ فوج کی روانگی سے قبل حضور انور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، کی شہادت کی صورت میں حضرت جعفرِ طیّار بن ابوطالب رضی اللہ عنہ، کو۔ ان کی

شہادت کی صورت میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنائیں اور اگر حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، بھی شہید ہو جائیں تو پھر لشکر والے جسے چاہیں اپنا سربراہ مقرر کر لیں۔

مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر شرح بیل ایک لاکھ سے زائد افراد کا لشکر لے کر مقابلے کے لیے نکلا۔ موتہ کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ، جو آگے بڑھ بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کر رہے تھے شدید زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے اور شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے فوج کی کمان سنبھالی اور انھوں نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ دشمنوں نے ان کو گھیر کر پے در پے وار کرنے شروع کیے۔ اُن کا ایک ہاتھ کٹا تو انھوں نے اسلامی پرچم دوسرے ہاتھ میں تھام لیا۔ دوسرا ہاتھ کٹا تو عَلَم کو دانتوں سے پکڑ لیا لیکن پرچم اسلام کو گرنے نہ دیا اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد عَلَم حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، نے سنبھالا اور وہ بھی مردانہ وار لڑ کر شہید ہو گئے۔ اب صورتِ حال انتہائی پریشان کن تھی۔ مجاہدین اپنے بہترین سپہ سالاروں کی شہادت سے پریشان اور کامیابی کے امکان سے مایوس ہو چکے تھے۔ بہر حال اب ان کی نظریں ایک ہی شخص پر پڑ رہی تھیں اور وہ تھے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، جب ان سے فوج کی ذمہ داری سنبھالنے کو کہا گیا تو اول اول انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں سرداری کے لائق نہیں، مجھے ایک عام مجاہد کی طرح لڑنے دیجیے۔ لیکن لوگوں کے اِصرار پر انھوں نے عَلَم سنبھالا اور ایک تقریر کے ذریعے مسلمانوں کی ہمت بڑھائی اور آگے بڑھ بڑھ کر دشمن کے لشکر پر حملے کرنے شروع کر دیے، ان کی بہادری کو دیکھ کر مجاہدوں کی ہمت بندھی اور لشکرِ اسلام اس روز شام تک دشمن کا کامیابی سے مقابلہ کرتا رہا۔

دوسرے روز پھر دونوں لشکر مقابل ہوئے۔ لیکن آج مجاہدین کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی سربراہی میں وہ ایسی بہادری سے لڑے کہ اپنے سے تیس گنا زیادہ طاقتور دشمن کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ رومی، شامی لشکروں کے لاتعداد سپاہی مارے گئے، ہزاروں گرفتار ہوئے اور کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، جس بہادری سے لڑے اس کا اندازہ کچھ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میدان میں ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، کے اس کارنامے کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں "سیف اللہ" یعنی اللہ کی تلوار کا خطاب عطا فرمایا۔

مشق

۱۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ، نے رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کن چیزوں کے لیے دعا کی درخواست کی تھی؟

۲۔ بہادری کے کس کارنامے پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے انھیں سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا؟

۳۔ جب حضرتِ خالدؓ بن ولید حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سامنے پیش ہوئے تو حضورؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کرکے کیا فرمایا؟

۴۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، نے جنگ میں بہادری کے کیا جوہر دکھائے؟

۵۔ جنگِ موتہ کا واقعہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

وہ کلمات جو اسم کے بجائے استعمال کیے جائیں، اسم ضمیر کہلاتے ہیں۔ مثلاً۔ وہ آیا، میں گیا، تم نے کہا، اس کی ٹوپی وغیرہ میں وہ، میں، تم اور اس، اسم ضمیر ہیں۔

۶۔ اس سبق کے تیسرے پیراگراف میں جتنے لفظ اسم ضمیر کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ انھیں چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

تحریکِ پاکستان

یومِ آزادی قریب تھا۔ ۱۴ر اگست کو تمام اسکولوں کا تقریری مقابلہ ہونے والا تھا۔ عامر کو اپنے اسکول کی طرف سے اس میں تقریر کرنی تھی۔ اگست کی دس تاریخ ہو چکی تھی لیکن اس کی تقریر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس کے استاد امتیاز صاحب جو تقریروں کی تیاری میں اس کی رہنمائی کیا کرتے تھے، رخصت پر گئے ہوئے تھے۔ اس کے ابّو بھی اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ عامر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ اُدھیڑ بُن میں بیٹھا تھا کہ اس کے ماموں آگئے اور اسے کچھ پریشان سا دیکھ کر بولے۔

ماموں جان: ارے بھئی عامر! کیا بات ہے؟ چُپ چُپ کیوں ہو؟

عامر: ماموں جان! چودہ اگست کو ایک بڑا اہم تقریری مقابلہ ہے اور میری تقریر ابھی تک تیار نہیں ہوئی ہے۔

ماموں جان: اچھا! یہ تو بتاؤ تقریر کا موضوع کیا ہے؟

عامر: وہ بھی کچھ عجیب سا ہے "تحریکِ پاکستان یومِ قرار داد سے یومِ آزادی تک"۔

ماموں جان: بھئی واہ! تم اس کو عجیب کہہ رہے ہو۔ یہ تو بڑا اہم اور دلچسپ موضوع ہے۔ قیامِ پاکستان کی اصل جدوجہد تو اسی دور میں کی گئی۔

عامر: تو ماموں جان! کچھ بتائیے نا۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

ماموں جان: بھئی! اس میں مہربانی کی کیا بات ہے۔ یہ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے بچّوں کو یہ بتائیں کہ ہمارا پیارا ملک ہم نے کتنی جدوجہد کے بعد حاصل کیا ہے اور اس کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں۔ اچھا تو اب تم کاغذ قلم لے آؤ۔ خاص خاص باتیں لکھتے جاؤ۔ عامر فوراً کاغذ قلم لے آیا اور بولا۔

عامر: اچھا! ماموں جان! اب فرمائیے۔

ماموں جان: یہ تو تم کو معلوم ہی ہوگا کہ "قرار دادِ لاہور" قائدِاعظمؒ کی صدارت میں ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو منظور ہوئی تھی۔ جِسے اب "قرار دادِ پاکستان" کہتے ہیں۔

عامر: جی ہاں! لاہور کے اقبال پارک میں جہاں "مینارِ پاکستان" ہے۔

ماموں جان: شاباش! تم نے بالکل صحیح کہا۔ بس اسی دن سے تحریکِ پاکستان نے صحیح معنوں میں زور پکڑا۔

عامر: لیکن مسلمان تو بہت پہلے سے آزادی کی جدوجہد کر رہے تھے۔

ماموں جان: ہاں! تمھارا کہنا ٹھیک ہے کہ مسلمان تو ایک عرصے سے آزادی حاصل کرنے کی تگ و دو میں تھے۔ لیکن قرار دادِ پاکستان کے بعد یہ بات طے ہوگئی کہ مسلمانوں کا اصل مقصد کیا ہے۔

عامر: پھر تو مسلمانوں کی منزل بہت آسان ہوگئی ہوگی۔

ماموں جان: نہیں، اصل مشکلیں تو یہیں سے شروع ہوئی تھیں۔

عامر: وہ کیسے؟

ماموں جان: دیکھو! مسلمانوں کے سامنے دو دشمن تھے۔ انگریز اور ہندو۔ یہ دونوں قیامِ پاکستان کے سخت مخالف تھے۔ ایک طرف انگریزوں نے ہندوستان تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسری طرف ہندو یہ منصوبہ بنائے بیٹھے تھے کہ انگریز جائیں تو وہ سارے ہندوستان پر قبضہ جما کر مسلمانوں کو اپنا غلام بنالیں۔ یہ تو اللہ کا بڑا کرم تھا کہ مسلمانوں کو قائدِ اعظمؒ جیسا عظیم رہنما مل گیا اور پاکستان قائم ہوگیا۔

عامر: پھر تو مسلمانوں کو بڑا سخت مقابلہ کرنا پڑا ہوگا۔

ماموں جان: کیوں نہیں! مگر انگریز اس زمانے میں دوسری عالمی جنگ میں بھی الجھے ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں کانگریس نے فائدہ اٹھا کر سنہ ۱۹۴۲ء میں انگریزوں کے خلاف "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک شروع کر دی۔

عامر: یہ تو اچھا موقع تھا قائدِ اعظمؒ کو بھی اس تحریک میں شریک ہو جانے کا اعلان کر دینا چاہیے تھا۔

ماموں جان: نہیں! اس میں مسلمانوں کا سراسر نقصان تھا۔ اس لیے کہ اگر انگریز ہندوستان کو تقسیم کیے بغیر چھوڑ کر چلے جاتے تو پورے ہندوستان پر ہندو قابض ہو جاتے، مسلمانوں کو اور بھی زیادہ مشکلات پیش آتیں۔ قائدِ اعظمؒ نے اس موقع پر مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف یہ نعرہ دیا۔ "ہندوستان کو تقسیم کرو اور پھر چھوڑ دو۔"

عامر: اچھا تو پھر کیا ہوا۔

ماموں جان: اس کے بعد تحریکِ پاکستان میں کئی اہم موڑ آئے اور پے در پے مشکلیں پیش آتی رہیں جن کی داستان بہت طویل ہے۔ چند موٹی موٹی باتیں یہ ہیں۔ کانگریس نے جب دیکھا کہ وہ قائدِ اعظمؒ

کی مخالفت کرکے ان کو شکست نہیں دے سکتی تو اس نے دوسری چال چلی اور قائدِ اعظمؒ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ انھوں نے کوشش کی قائدِ اعظمؒ مطالبۂ پاکستان سے دستبردار ہوجائیں لیکن قائدِ اعظمؒ بھلا کب ان کے جال میں پھنسنے والے تھے۔ اس کا ایک فائدہ مسلمانوں کو یہ ضرور ہوا کہ کانگریس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرلیا۔

جب دوسری جنگِ عظیم ختم ہوئی تو انگریزوں نے عام انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ کانگریس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن بہت سی مسلم نشستوں پر مسلم لیگ جیت گئی اور کانگریس کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوگیا کہ وہ ہندو اور مسلمان دونوں کی نمائندہ جماعت ہے۔

جن صوبوں میں کانگریس کی حکومتیں قائم ہوئی تھیں وہاں ہندوؤں نے مسلمانوں پر بڑے ظلم ڈھائے۔ لیکن مسلمانوں کی یہ قربانیاں رائگاں نہیں گئیں اور انگریزوں نے محسوس کرلیا کہ اب قیامِ پاکستان کے مطالبے کو ماننے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ چناں چہ انگریز وائسرائے لارڈ ویول کی جگہ نئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن تقسیمِ ہند کا منصوبہ لے کر آئے اور چند ماہ کی بات چیت کے بعد آخر کار ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا وجود عمل میں آگیا۔

عامر: کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اس سلسلے میں بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔

ماموں جان: یہ ایک ایسی کہانی ہے جس کو سُن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں پر بڑے ظلم ڈھائے۔ نہ جانے کتنے گھر لوٹے گئے۔ اس لیے تو کہتے ہیں کہ پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے پیارے وطن سے محبت کریں۔ ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔ آپس میں اسلامی اُخوّت اور محبت کے ساتھ رہیں اور پاکستان کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصّہ لیں۔ اسے صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ بنادیں۔

عامر: ماموں جان! آپ نے مجھے بہت سی باتیں بتادیں۔ اب دیکھیے میری تقریر کتنی شاندار ہوتی ہے۔

مشق

۱۔ ماموں جان نے عامر کو تحریکِ پاکستان کے بارے میں کیا کیا بتایا؟

۲۔ قراردادِ پاکستان کب منظور ہوئی ؟

۳۔ انگریزوں اور ہندوؤں نے تحریکِ پاکستان کی کس کس طرح مخالفت کی ؟

۴۔ پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا ہے ۔ ہمیں اس کے لیے کیا کرنا چاہیے ؟

۵۔ اس سبق کے علاوہ دوسری کتابوں سے تحریکِ پاکستان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اپنی کاپی میں لکھیے ۔

آپ نے یہ پڑھا ہے کہ بعض اسم ایسے ہوتے ہیں جو نہ خود کسی دوسرے لفظ سے بنتے ہیں اور نہ اُن سے کوئی لفظ بنتا ہے ایسے الفاظ کو "اسمائے جامد" کہتے ہیں ۔ جیسے درخت ، اینٹ ، دوات ، تختی ، ہمالیہ ، دریا وغیرہ ۔ لیکن کچھ اسم ایسے بھی ہوتے ہیں جو مصدر سے بنتے ہیں ۔ انھیں "اسمائے مشتق" کہا جاتا ہے ۔ جیسے "پڑھنا" مصدر سے پڑھنے والا ، پڑھا ہوا ، پڑھائی وغیرہ ۔

۶۔ درجِ ذیل مصادر سے اسم مشتق بنائیے :

لکھنا ، کھانا ، رکھنا ، مارنا ۔



اکبر الہ آبادی

دادی اماں عصر کی نماز سے فارغ ہوئیں تو بہو بیگم نے انھیں چائے پیش کی۔ چائے کی پیالی لیتے ہوئے دادی اماں بولیں۔

"اے بہو بیگم! آج گھر میں اتنا سناٹا کیوں ہے؟ بچّے کہیں باہر گئے ہیں کیا؟"

"جی نہیں اماں۔ بی! باہر تو نہیں گئے ہیں۔ بچّے تو گھر ہی میں ہیں۔" بہو بیگم نے جواب دیا۔

"گھر ہی میں ہیں!" اماں بی حیرت سے بولیں۔ "ارے تو کیا مجھ ہی کو نظر نہیں آرہے؟"

"وہ سب ابا میاں کی لائبریری میں بیٹھے ہیں۔" بہو بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں خیر تو ہے۔ کیا سزا ملی ہے ان کو؟" دادی اماں بولیں۔

"جی نہیں، ابا میاں نے ان سب سے کہا ہے کہ جو بچّہ مشہور قومی شاعر اکبر الہ آبادی پر زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرے گا، اس کو "کلیاتِ اکبرؔ" انعام میں دیا جائے گا۔ اس لیے وہ سب اکبر الہ آبادی کے متعلق لکھ پڑھ رہے ہیں۔" بہو بیگم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا!" دادی اماں نے اطمینان کا سانس لیا، اور کہا "چلو یہ تو بہت اچھی مصروفیت ہے" پھر انھوں نے پاندان گھسیٹتے ہوئے پوچھا۔

"مگر یہ مقابلہ ہوگا کس وقت؟"

"رات کو عشاء کی نماز کے بعد بچّے تو یہی بتا رہے تھے۔" بہو بیگم نے جواب دیا۔

"چلو ٹھیک ہے، یہ وقت اچھا ہے، اس وقت تو تمام کاموں سے فراغت ہو جائے گی اور ہم لوگ بھی بچّوں کا یہ مقابلہ دیکھ سکیں گے۔" دادی اماں نے کہا۔

عشاء کی نماز کے بعد دادی اماں، بہو بیگم، ابّو جان سب ہی دادا ابا کے کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد دادا ابا بھی بچّوں کے ساتھ وہاں آگئے اور گفتگو شروع ہوئی۔

دادا ابا نے پوچھا: "ہاں عرفان میاں! آپ نے اکبر الہ آبادی کے متعلق کیا لکھا ہے؟"

عرفان بولا "میں نے ان کی زندگی کے حالات جمع کیے ہیں۔ وہ پیش کرتا ہوں:"

"اکبر الہ آبادی کا اصل نام سید اکبر حسین تھا۔ وہ ۱۶ر نومبر ۱۸۴۶ء کو قصبہ بارہ میں جو الہ آباد سے ۱۹ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید تفضّل حسین بڑے دیندار اور عبادت گزار انسان تھے۔ علم و فضل میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ اکبر الہ آبادی کی والدہ بھی بڑی پرہیز گار اور پارسا خاتون تھیں۔ اکبر الہ آبادی کی ابتدائی تعلیم مشرقی انداز سے گھر پر ہی ہوئی۔ ان کے والد بڑے دُور اندیش انسان تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے اکبر الہ آبادی کو ان کی والدہ کے ساتھ الہ آباد بھیج دیا۔ جہاں تعلیم کی زیادہ سہولتیں موجود تھیں۔ ابھی وہ دس گیارہ سال کے تھے کہ ۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامے شروع ہو گئے۔ گھر کے حالات بگڑ گئے اور اکبر الہ آبادی کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔ مگر وہ اپنی ذاتی کوشش اور محنت سے اپنی قابلیت بڑھاتے رہے۔ پھر انھوں نے قانون پڑھنا شروع کیا اور وکالت کا امتحان اوّل درجے میں پاس کیا۔ اس کے بعد ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان پاس کرکے قائم مقام جج مقرر ہوئے۔ پھر ترقی کرتے کرتے ڈسٹرکٹ سیشن جج کے عہدے تک پہنچ گئے۔ وہ الہ آباد ہائی کورٹ کے جج بھی مقرر کیے جانے والے تھے مگر آنکھیں خراب ہو جانے کی وجہ سے انھیں ملازمت کو خیرباد کہنا پڑا۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کا بیشتر وقت ادبی اور علمی مشاغل میں گزرنے لگا۔ حتیٰ کہ انتقال تک اپنے قلم سے طنز و ظرافت کے پھول کھلاتے رہے۔ آخری عمر میں انھیں پے در پے دو صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلے ۱۹۱۰ء میں ان کی رفیقۂ حیات انھیں داغِ مفارقت دے گئیں۔ پھر ۱۹۱۳ء میں ان کے بیٹے سید ہاشم حسین عین جوانی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اکبر الہ آبادی کی صحت یوں بھی پہلے سے کچھ اچھی نہ تھی، ان صدمات نے انھیں اور بلکان کر دیا۔ آخر کار ۹ر ستمبر ۱۹۲۱ء کو الہ آباد کے مقام پر وہ اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملے۔ کہتے ہیں کہ الہ آباد دو چیزوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے "ایک امرود اور دوسرے اکبر الہ آبادی"۔ واقعی یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ایک شخص اپنے شہر کی عزت، شہرت اور نام آوری کا سبب بنے۔"

عرفان نے اپنا مضمون ختم کیا تو دادی اماں نے اسے سینے سے چمٹا لیا اور اس کی بلائیں لینے لگیں۔ "واہ! کتنا اچھا لکھا ہے میرے بچے نے۔ بھئی 'کلیاتِ اکبر' تو عرفان ہی کو ملنا چاہیے۔"

"لیجیے! ابھی اوروں کے مضامین تو سُنے ہی نہیں اور انعام بھی دے دیا۔" دادا ابا بولے "ہاں بیٹے کامران! اب آپ اپنا مضمون سنائیے۔ لیکن پہلے یہ تو بتائیے کہ کس عنوان پر لکھا ہے آپ نے؟"

"میں نے اکبر الہ آبادی کی سیرت، شخصیت اور شاعری کو اپنے مضمون کا موضوع بنایا ہے۔" یہ کہہ کر اس

نے اپنا مضمون پڑھنا شروع کیا۔

"اکبر الہ آبادی بڑے ذہین انسان تھے۔ سیاسی، مذہبی، معاشرتی، کوئی مسئلہ ہو وہ فوراً اس کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے اور اسے بڑے دلچسپ انداز سے بیان کرتے تھے۔ انگریزی زبان کے لفظوں سے وہ اپنے اشعار کے لیے اس طرح خوبصورت قافیے تراشتے کہ شعر میں چار چاند لگ جاتے۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا   حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے   شاہِ ایڈورڈ کی دہائی ہے

اکبر الہ آبادی بڑے حاضر دماغ اور حاضر جواب تھے۔ خوش طبعی اور ظرافت انھیں قدرت کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔ انھوں نے اس خداداد دولت سے اپنی قوم کی اصلاح اور اپنے زمانے کی نوجوان نسل کی رہنمائی کی۔

اسلام کی محبّت انھیں اپنے والدین سے ورثے میں ملی تھی۔ وہ اسلام کو زندگی کی تمام کامیابیوں کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ ان کا دل یہ دیکھ کر روتا تھا کہ انگریزی تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثرات اُن کی قوم کے نوجوانوں کو مذہب سے بیگانہ کرتے جا رہے ہیں۔ اس لیے وہ فرماتے ہیں: ؎

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں، مذہب گیا   میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا

نام اللہ و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں   پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاءاللہ   مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

رات بنگلے میں مِرے آئی تھی آوازِ اذاں   جی رہے ہیں ابھی کچھ اگلے زمانے والے

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں   کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں

اکبر الہ آبادی کے طنز کا نشانہ خاص طور پر وہ لوگ تھے جو انگریزی تعلیم حاصل کر کے مغربی تہذیب کا شکار ہوتے جا رہے تھے اور اپنی اسلامی تہذیب اور روایات سے منہ موڑتے جا رہے تھے۔ دیکھیے وہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں: ؎

ہوئے اس قدر مُہذّب، کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا   کٹی عمر ہوٹلوں میں مَرے اسپتال جا کر

کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے   بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم   رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ ہے، نہ حج ہے   تو خوشی پھر اس کی کیا ہے؟ کوئی جنٹ کوئی جج ہے

بزرگوں کی عزّت اور احترام ہماری اسلامی اور مشرقی تہذیب کی نمایاں خصوصیت ہے۔ لیکن اکبرالہ آبادی دیکھ رہے تھے کہ انگریزی تعلیم اور مغربی تہذیب بزرگوں کی عزّت و احترام کو ختم کرتی جارہی ہے۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں: ؎

ہم ایسی سب کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں — کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا — علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حکام پہ بم کے گولے ہیں اور مولویوں پہ گالی ہے — کالج نے یہ کیسے سانچوں میں لڑکوں کی طبیعت ڈھالی ہے

انگریزوں کے قائم کیے ہوئے اسکولوں اور کالجوں میں خاص مقصد کے تحت تعلیم دی جاتی تھی، اس تعلیم کا مقصد انسان کو انسان بنانا نہیں، بلکہ دفتروں کے لیے صرف کلرک پیدا کرنا تھا۔ جو نوجوان اِن تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کر کے نکلتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سرکاری ملازمت حاصل کرلیں۔ وضع قطع اور بود و باش میں انگریزوں کی نقالی کریں۔ کالے انگریز بن کر گلیوں میں جائیں، ہوٹلوں میں بیٹھیں اور سڑکوں پر گھومیں۔ اس ذہنیت پر طنز کرتے ہوئے اکبرالہ آبادی فرماتے ہیں: ؎

چھوڑ لٹریچر کو، اپنی ہسٹری کو بھول جا — شیخ و مکتب سے تعلق ترک کر، اسکول جا

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ — کھا ڈبل روٹی، کلرکی کر، خوشی سے پھول جا

مذہب نے پکارا اے اکبرؔ اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں — یاروں نے کہا یہ قول غلط، تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ آپ کا فرمانا ہے بجا، قرآن بھی ہے، اللہ بھی ہے — مشکل تو یہ ہے لیکن کہ ادھر آنر بھی ہے، تنخواہ بھی ہے

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے؟ فقط بازاری ہے — جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے؟ فقط سرکاری ہے

اکبرالہ آبادی انگریزی طرز کی ان درسگاہوں کو اپنی قوم کے بچّوں کی قتل گاہیں سمجھتے تھے۔ جہاں انھیں ذہنی طور پر اپاہج بنایا جارہا تھا، روحانی طور پر مفلوج کیا جاتا تھا اور ان کی گردنیں مغربی تہذیب کے خنجر سے کاٹی جاتی تھیں۔ اس بات کو اکبرالہ آبادی بڑے خوبصورت انداز میں یوں کہتے ہیں کہ: ؎

یوں قتل سے بچّوں کے وہ بدنام نہ ہوتا — افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

حقیقت میں وہ جدید تعلیم کے مخالف نہیں تھے۔ بلکہ جدید تعلیم کے ساتھ نوجوانوں میں انگریزوں کی نقالی، اپنی تہذیب اور اپنے دین سے جو بیگانگی پیدا ہورہی تھی، اس کے مخالف تھے۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں کہ: ؎

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو — جائز ہے غبارے میں اڑو، چرخ پہ جھولو

پرانتا سخن بندۂ عاجز کار ہے یاد — اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو!

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو — باتیں جو بُری ہیں ان سے پرہیز کرو

قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر — اس میں کیا ہے کہ نقلِ انگریز کرو

کچھ منع نہیں ہر قسم کی تحریر پڑھو — لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو

قلزم کی تہ ٹٹولو یا ایئرشپ میں جھولو — جب بھی یہی کہوں گا اللہ کو نہ بھولو

کامران نے اپنا مضمون ختم کیا تو دادا ابا نے شاباشی دی اور کہا "بھئی کامران میاں! آپ نے واقعی بہت اچھا مضمون لکھا ہے اور اسے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔"

پھر وہ عائشہ کی طرف مخاطب ہو کر بولے "ہاں بیٹی عائشہ! اب آپ کی باری ہے، اپنا مضمون شروع کریں۔ لیکن پہلے یہ تو بتائیں کہ آپ نے کس عنوان پر لکھا ہے ؟"

عائشہ بولی "میرے مضمون کا عنوان 'اکبر اور عورت' ہے۔"

اکبر الہ آبادی پر یہ اعتراض غلط ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم کے مخالف تھے وہ انھیں علم کی روشنی سے محروم رکھنا چاہتے تھے اور انھیں مردوں کا محکوم بنا کر گھر کی چہار دیواری میں مُقیّد دیکھنا چاہتے تھے۔

لیکن کیا کیا جائے کہ جدید روشنی نے سب سے زیادہ مشرقی عورت کو ہی فریب دیا۔ مسلمان لڑکیاں اسکول اور کالج کی غلط تعلیم حاصل کر کے اسلامی روایات کو جھٹلانے لگیں۔ وہ شرم و حیا کو چھوڑ اپنے بچوں کی پرورش اور اپنی گھریلو ذمّہ داریوں کو بھُلا کر کلبوں اور محفلوں کی زینت بننے لگیں۔ اس پر اکبر الہ آبادی سے نہ رہا گیا، کہتے ہیں ؎

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی — اب ہے شمعِ انجمن پہلے چراغِ خانہ تھی

تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر — شوہر پرست بیوی، پبلک پسند لیڈی

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر — خاتونِ خانہ ہوں، وہ سبھا کی پری نہ ہوں

اکبر الہ آبادی عورتوں کی اس بے راہ روی اور بے حجابی کا اصل ذمّہ دار مردوں کو قرار دیتے ہیں۔ جو انگریزوں کی دیکھا دیکھی اپنی بیگمات کو بھی اپنے گھروں سے نکال کر محفلوں اور کلبوں میں لے آئے۔ چناں چہ اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں ؎

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

عائشہ نے اپنا مضمون ختم کیا تو دادا ابا خوش ہوتے ہوئے بولے "کتنی ذہین ہے ہماری

بیٹی عائشہ۔ایسے عمدہ شعر پیش کیے ہیں کہ جی خوش ہوگیا۔ ہاں بھئی! اب یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کلیات اکبرؔ ان تینوں میں سے کس کو دیا جائے۔"

دادی اماں تعجب سے بولیں "کس کو دیا جائے! تینوں کو دیا جائے گا انعام۔ کوئی کسی سے کم نہیں ہے۔ تینوں بچوں نے بہت محنت کی ہے۔ تینوں کے مضمون اپنی اپنی جگہ بہت اچھے ہیں۔" پھر دادا ابا کو خاص طور پر سناتے ہوئے بولیں "سُنا آپ نے! انعام تینوں کو ملے گا۔ میں تو اپنے بیٹے عرفان کو "بانگِ درا" دوں گی" اور دادی اماں نے عرفان کی پیشانی چوم لی۔ ابّو جان کو بھی جوش آیا۔ وہ بولے "ہماری بیٹی عائشہ کا مضمون بھی بہت اچھا تھا میں اپنی بیٹی کو انعام میں "بہشتی زیور" دوں گا۔"

اس پر سب نے خوشی کا اظہار کیا، اور خوب تالیاں بجائیں۔ اب کامران مسکراتے ہوئے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "تو انعام پانے والوں میں صرف میں باقی رہ گیا ہوں۔ لہٰذا "کلیاتِ اکبرؔ" جو آج کے مقابلے کا خاص انعام تھا وہ میرا ہوا؟" اس پر ایک مرتبہ پھر تالیاں بجائی گئیں اور دادا ابا نے مارے خوشی کے کامران کو گلے سے لگالیا۔

مشق

۱۔ مسلمانوں کے لیے انگریزی تعلیم کس لحاظ سے نقصان دہ تھی؟

۲۔ اکبرؔ الہ آبادی نے انگریزی تہذیب کی مخالفت کیوں کی؟

۳۔ انگریزوں کے زمانے کی تعلیم کا مقصد کیا تھا؟

۴۔ اکبر الہ آبادی کے جو اشعار آپ کو پسند آئے ہیں انھیں لکھیے اور پسند آنے کی وجہ بیان کیجیے۔

۵۔ مندرجہ ذیل اشعار مکمل کیجیے:

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا + ...

ہم نشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں، مذہب گیا + ...

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا + ...

مذہب نے پکارا اے اکبرؔ اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں + ...

معنی کے اعتبار سے فعل کی دو قسمیں ہیں۔ لازم اور متعدی۔

فعل لازم وہ فعل ہے جس میں صرف فاعل سے مطلب پورا ہوتا ہے۔ مثلاً پھول کھلا،

چاند نکلا (فاعل کام کرنے والے کو کہتے ہیں)
فعل متعدی وہ فعل ہے۔ جس میں فاعل کے بعد مفعول بھی آتا ہے۔
مثلاً حامد نے پھول توڑا، لڑکا نظم پڑھتا ہے (جس اسم پر فاعل کا اثر واقع ہوا سے مفعول کہتے ہیں)

۶۔ پانچ جملے ایسے بنائیے جن میں فعل لازم آئے اور پانچ جملے ایسے بنائیے جن میں فعل متعدی بھی ہو۔

اسم اشارہ وہ اسم ہے جس کے ذریعے کسی کی جانب اشارہ کیا جائے۔ مثلاً یہ، وہ، اِس، اُس، اُن، اُسے، انھیں وغیرہ۔
اسم موصولی وہ اسم ہے جو تنہا پورے معنیٰ نہیں دیتا بلکہ کوئی جملہ ملانے پر پورے معنی دیتا ہے۔ مثلاً جو، جن، جس، جنھوں، جنھیں، جو جو، جو کہ، جن جن، جو کچھ، جوں جوں، جو بوئے گا سو کاٹے گا، جیسی کرنی ویسی بھرنی وغیرہ۔

۷۔ اسمائے اشارہ اور اسمائے موصول کا اضافہ کرکے مندرجہ ذیل جملوں کو مکمل کیجیے:-

۱۔ ـــــ سوئے گا ـــــ کھوئے گا۔
۲۔ ـــــ قلم کس کا ہے؟ ـــــ ہو ـــــ مجھ سے لے لے۔
۳۔ ـــــ فقیر کو کچھ نہ دو ـــــ ہٹا کٹا ہے۔ ہاں ـــــ کو ضرور دو ـــــ بیچارا اپاہج ہو۔
۴۔ سلام ـــــ پر کہ ٹوٹا بوریا ـــــ کا بچھونا تھا۔
۵۔ ـــــ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا۔
۶۔ ـــــ ماہِ عرب ہی اے تیرا اپنا تو جہاں میں ہمارا ہے۔
۷۔ ہو جائیں فدا ـــــ نام پہ ہم ـــــ نام ہی ایسا پیارا ہے۔
۸۔ ـــــ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سما رہے ہیں ـــــ چل رہے ہیں ـــــ پھر رہے ہیں ـــــ آرہے ہیں ـــــ جا رہے ہیں۔

میدانِ بدر میں حضورِ اکرمؐ کی دعا

یہ دُعا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اللہ تعالیٰ سے اُس نازک اور مشکل وقت میں مانگی تھی جب جنگِ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ ان کے پاس سامانِ جنگ بھی نہیں تھا اور اُن کی مالی حالت بھی بڑی خراب تھی۔ البتہ اُن کے پاس اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبت تھی جس کی خاطر وہ لوگ اپنی نہتی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے میدانِ بدر میں دیوانہ وار چلے آئے تھے۔ حفیظ جالندھری نے یہ کیفیت نظم کی صورت میں اپنی مشہور کتاب "شاہنامۂ اسلام" میں پیش کی ہے۔ یہ اشعار اُسی کتاب سے لیے گئے ہیں۔

یہ فرما کر اٹھائے ہاتھ ہادیؐ نے دُعا مانگی
صحابہؓ کے لیے اس طرح تائیدِ خدا مانگی!

دُعا مانگی، الٰہی! یہ تیرے دیں دار بندے ہیں
بہت ہی صاحبانِ جرأت و ایثار بندے ہیں

وطن سے بے وطن، آرام سے محروم بیچارے
جفا و ظلم کے مارے ہوئے، مظلوم بیچارے

یہ اس میدان میں آئے ہیں تیرے نام کی خاطر
ترے پیغام کی خاطر، ترے اسلام کی خاطر

بہت تھوڑے ہیں یہ تعداد میں ان کو زیادہ کر
دلوں کو استقامت دے، قوی ان کا ارادہ کر

یہ چند افراد ہیں، تیرے نبیؐ کے ساتھ آئے ہیں
نہیں ہے کچھ بھی ان کے پاس، خالی ہاتھ آئے ہیں

الٰہی! رزق کی تنگی ہے ان کو، رزقِ وافر دے
نہیں ہے مال ان کے پاس، تو ان کو غنی کر دے

لباس ان کا ہے بوسیدہ، عطا کر دے لباس ان کو
الٰہی! اور دے دے مہلتِ شکر و سپاس ان کو

پیادہ ہیں، سواری کے لیے رہوار دے ان کو
دفاعِ دشمناں کے واسطے ہتھیار دے ان کو

ضعیف و ناتواں ہیں اے خدا! ان کو قوی کر دے
الٰہی! ان پہ آساں دینِ حق کی پیروی کر دے

الٰہی! نعمتوں سے ان کی خالی جھولیاں بھر دے
سر و سامان نہیں ہے، تو سر و ساماں عطا کر دے

وہ سب کچھ دے انھیں جس میں رضا ہو اے خدا تیری
مسلماں اس پہ راضی ہیں کہ پوری ہو رضا تیری

حفیظ جالندھری

مشق

۱۔ اصحابِؓ بدر کی مالی حالت کا نقشہ اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا مانگی اسے تفصیل سے اپنے لفظوں میں لکھیے۔
۳۔ تیسرے، پانچویں اور چھٹے شعر کی تشریح کیجیے۔
۴۔ ہادی، رضا اور دینِ حق سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
ایثار، محروم، جفا، خاطر، وافر، غنی، دفاعِ دشمناں۔

بابا فرید شکر گنج رح

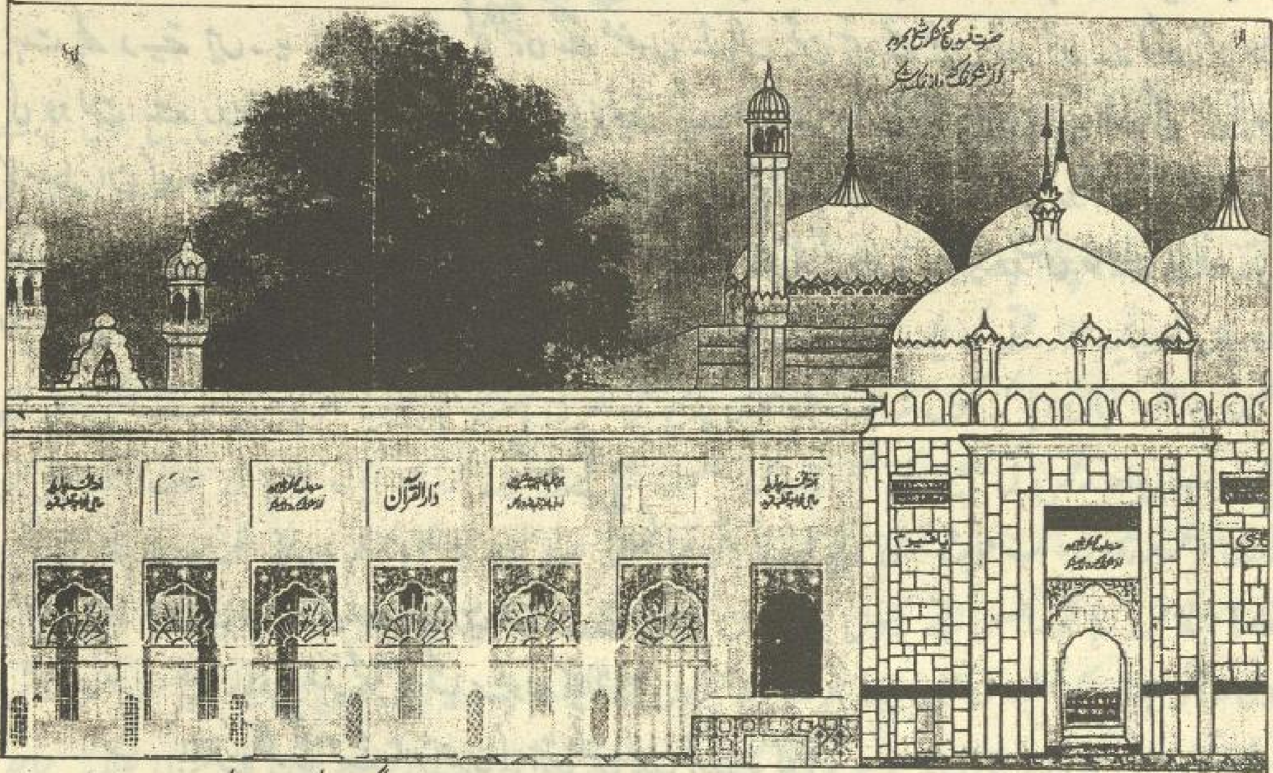
اس روز درویش کی کُٹیا پر بڑی رونق تھی یوں تو لوگ روز ہی اس کٹیا پر آتے اور درویش کی نصیحتوں سے فیض حاصل کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب سے ان بزرگ نے پاک پٹن کے غیر آباد جنگل میں سکونت اختیار کی تھی، اس علاقے کی کایا پلٹ گئی تھی۔ وہی لوگ جو بات بات پر کٹ مرتے تھے، ایک دوسرے کے ہمدرد و دمساز ہو گئے۔ چوریاں ختم ہو گئیں، جھگڑے مِٹ گئے اور بتوں کے پجاری جُوق در جُوق اسلام قبول کر رہے تھے۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی ان بزرگ کا اس قدر احترام کرتے تھے جیسے وہ مسلمانوں کے نہیں خود انھی کے دینی رہنما ہوں۔ یہ سب ان بزرگ کے حسنِ اخلاق کا اثر تھا۔ دل ایسا نرم کہ کسی کی مصیبت سُنی اور آنکھوں میں آنسو آگئے اور ہاتھ دُعا کے لیے بلند ہو گئے۔ زبان ایسی میٹھی کہ جس سے ایک بار گفتگو کی وہ گرویدہ ہو گیا۔ نظروں میں وہ شفقت کہ جس دلِ شکستہ کو دیکھ لیا اُس کو یہ محسوس ہوا کہ زخمِ دِل پہ کسی نے مرہم رکھ دیا۔ اس وقت کے سرکش قبائل تک ان بزرگ کے فیضِ صحبت سے خوش اخلاق اور دین دار بن گئے۔

درویش کی کٹیا پر آج خصوصی رونق کا سبب وہاں ایک سردار کی آمد تھی۔ سردار بھی کون، سلطان ناصر الدین محمود شہنشاہِ ہند کا وزیر، غیاث الدین بلبن۔ وہ غیاث الدین بلبن جس کی بہادری کے کارنامے سارے ہندوستان میں مشہور تھے۔ جس کو سلطنتِ دہلی کا ایک اہم ستون سمجھا جاتا تھا۔ وہی غیاث الدین بلبن جس وقت درویش کی کٹیا کے دروازے پر پہنچا تو قدم رُک گئے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

سلطان ناصر الدین محمود دہلی سے ملتان جاتے ہوئے پاک پٹن میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ خود ایک دین دار انسان تھا۔ پورے ہندوستان کے خزانے کا مالک ہوتے ہوئے اپنے گزارے کے لیے قرآن شریف کی کتابت کرتا تھا۔ اس نے ان بزرگ کی دینی خدمات کی شہرت سُنی تھی اور چاہتا تھا کہ کسی موقع پر اُن کی خدمت کرے۔ چناں چہ اس موقع پر اس نے اپنے وزیر بلبن کو اشرفیوں کی ایک تھیلی اور چار گاؤں کی سند دے کر بزرگ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ اب بلبن درویش کی کٹیا کے باہر کھڑا اندر داخل ہونے کی ہمت کر رہا تھا۔ اگر کسی دنیاوی بادشاہ کا دربار ہوتا تو وہ بلا جھجک اندر داخل ہو گیا ہوتا۔

لیکن یہ تو اس شخص کا دربار تھا جہاں سروں کے بجائے دِل جھکتے تھے۔ بالآخر وہ احترام سے نظریں جھکائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا کٹیا میں داخل ہوا۔ نظر خود بخود جُھک گئی۔ ادب سے "السّلام علیکم" کہا اور احترام سے ایک جانب کھڑا ہوگیا۔

"فرمائیے؟" بزرگ نے بلبن کی جانب مُتوجّہ ہو کر کہا۔ لہجہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ سلطان کے وزیر کی آمد ان کے خلافِ توقع تھی۔



"سلطان ناصر الدین محمود نے خادم کے ذریعے حضرت بابا فرید شکر گنج رح کو سلام کہلوایا ہے۔" غیاث الدین بمشکل یہ جملہ ادا کر سکا اور پھر بابا فریدؒ کا جواب سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہوگیا۔

"علیک و علیہ السّلام" (تم پر اور اس پر سلام ہو) بابا فریدؒ نے جواب دیا۔ اب ان کے لہجے میں شفقت و محبت کی مٹھاس تھی۔ بلبن کی ہمت اور بڑھی۔ اس نے قریب کھڑے ہوئے خادم کے ہاتھ سے اشرفیوں کی تھیلی اور جاگیر کی سند لی اور دونوں چیزیں بابا کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"سلطان نے آپ کی نذر کے لیے یہ چیزیں پیش کی ہیں۔"

"یہ کیا چیزیں ہیں؟" بابا نے بے پروائی سے دریافت کیا۔

"کچھ اشرفیاں فقراء کے لیے اور اس علاقے کے چار گاؤں کی جاگیر آپ کے لیے۔" بلبن نے عاجزی سے کہا۔

"اشرفیاں اور جاگیر کی سند" بابا فریدؒ نے گویا کچھ سوچتے ہوئے کہا۔" اچھا ایسا کیجیے۔ یہ اشرفیاں ان درویشوں میں تقسیم کر دیجیے جو خدا کی محبت کا سبق سیکھنے یہاں آئے ہوئے ہیں اور جہاں تک جاگیر کی سند کا تعلق ہے، یہ واپس لے جائیے۔ جاگیر کے طلب گار آپ کو بہت مل جائیں گے، انھیں دے دیجیے ـــ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

واقعی اہلُ اللہ کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ دنیا سے کچھ لینے کی بجائے اسے کچھ دیتے ہیں۔ بلکہ بہت کچھ دیتے ہیں۔ یہ بابا فرید شکر گنجؒ ہی تھے جنھوں نے پاک پٹن ہی کے نہیں، دُور دُور کے لوگوں کو اسلام کی دولت سے روشناس کیا۔ ان کے ہاتھ پر لاتعداد لوگ مسلمان ہوئے اور پھر بابا فرید شکر گنجؒ کے فیض کا سلسلہ ان کی حیات ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ انھوں نے اسلام اور حُبُّ اللہ کی جو شمع روشن کی تھی ان کے شاگردوں نے اس شمع سے اپنی شمعیں جلائیں، پھر ان سے ان کے شاگردوں نے یہ روشنی حاصل کی اور یہ روشنی بابا فرید شکر گنجؒ کی تعلیمات کی شکل میں آج بھی باقی ہے۔

مشق

۱۔ غیاث الدین بلبن اور ناصر الدین محمود کون تھے؟

۲۔ بلبن بابا فرید شکر گنجؒ کی کُٹیا پر کیوں آیا تھا؟

۳۔ بابا فرید شکر گنجؒ نے ناصر الدین کی پیش کش کیوں قبول نہ کی؟

۴۔ بابا فرید شکر گنجؒ کی زندگی کے حالات اپنے الفاظ میں لکھیے۔

آپ جانتے ہیں کہ فعل تین زمانوں میں پایا جاتا ہے۔ زمانہ ماضی، زمانہ حال اور زمانہ مستقبل۔ فعل زمانہ ماضی کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ ماضی مطلق ۲۔ ماضی قریب ۳۔ ماضی بعید ۴۔ ماضی ناتمام ۵۔ ماضی شکی ۶۔ ماضی شرطی یا ماضی تمنائی۔

ماضی مطلق:۔ ماضی مطلق ماضی کی وہ قسم ہے جس میں فعل سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کام قریب کے زمانے میں ہوا ہے یا دور کے، مثلاً میں نے کیاری میں بیج ڈالے۔

ہمارا قومی پرچم

اگست کی تیرہویں تاریخ تھی اگلے دن "یومِ آزادی" تھا۔ حامد، ماجد اور روحی، تینوں بہن بھائی بڑے مصروف تھے۔ انھوں نے اس سال اپنے گھر کو خوب جھنڈیوں اور روشنیوں سے سجانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اپنے اپنے جیب خرچ میں سے کچھ بچا رہے تھے۔ انھوں نے یہ پیسے اکٹھے کرکے جھنڈیاں اور ڈوریاں خریدیں اور محلّے کی ایک دکان سے بجلی کے قمقموں کی جھالریں بھی کرائے پر لے لیں۔ آخر میں انھیں یہ بھی خیال آیا کہ کیوں نہ ایک بڑا قومی پرچم بھی گھر کی چھت پر خوب اونچا لگایا جائے۔ لیکن ان کے پاس اب زیادہ رقم باقی نہیں بچی تھی۔ پھر بھی انھوں نے جوں توں کرکے ایک بانس اور سات آٹھ میٹر لمبی ڈوری تو خرید ہی لی۔ اب صرف قومی پرچم خریدنا باقی تھا۔ لیکن اب پیسے بالکل ختم ہو چکے تھے اور بنا بنایا قومی پرچم خاصا مہنگا مل رہا تھا۔ اس لیے تینوں بھائی بہن پریشان تھے۔ اتنے میں روحی بولی "دیکھو! میں ایک ترکیب بتاتی ہوں۔ امّی جان کے صندوق میں بچے ہوئے کچھ کپڑوں کے ٹکڑے پڑے ہیں۔ ہم ان میں سے ہرا اور سفید ٹکڑا تلاش کرکے قومی پرچم کیوں نہ بنالیں"۔ حامد بولا "میں تمھیں چاند اور تارا کاٹ کر دے دوں گا۔ تم سی لینا"۔ ماجد بولا۔ "واہ روحی واہ! تمھیں تو خوب ترکیب سوجھی، مسئلہ ہی حل ہوگیا۔ تم امّی جان سے اجازت لے کر کپڑوں کے ٹکڑے نکال دو۔ بھائی جان اُن میں سے پرچم کاٹ دیں گے، تم سی لینا"۔

ذرا سی دیر میں ہرے اور سفید رنگ کے کپڑوں کے ٹکڑے بھی مل گئے، چاند تارا بھی کٹ گیا اور پرچم کی سلائی بھی ہوگئی۔ اتنے میں ان کے ابّو آگئے "ارے بھئی تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ تمھاری امّی کہاں ہیں؟" روحی بولی "پڑوس والی خالہ جان کی طبیعت ذرا خراب ہے۔ امّی جان ان کو دیکھنے کے لیے گئی ہیں۔ ہم لوگ قومی پرچم بنا رہے ہیں"۔ یہ سن کر ابّو بہت خوش ہوئے اور بولے "واہ بھئی! واہ! تم لوگوں نے تو یہاں بڑا ساز و سامان جمع کر رکھا ہے۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں کہ تمھارا قومی پرچم کیسا بنا ہے؟" روحی نے یوں تو پرچم اپنے اندازے کے مطابق ٹھیک ہی سیا تھا لیکن کچھ سبز اور سفید حصّوں کا تناسب درست نہیں تھا۔ اور پھر کچھ چاند ستارے کا رُخ بھی غلط ہوگیا تھا۔ چناں چہ ان کے ابّو بولے "یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ

تم لوگوں نے قومی پرچم تیار کیا لیکن یہ بات یاد رکھو کہ قومی پرچم ملک و قوم کی نمائندگی اور عظمت و آبرو کی علامت ہوتا ہے۔ ہمارا قومی پرچم جناب امیر الدین قدوائی نے تیار کیا تھا۔ گہرا سبز رنگ، شکل مستطیل، اُفقاً لمبا اور عموداً چوڑا۔ لمبائی اور چوڑائی میں ۳ : ۲ کی نسبت، پرچم کا مستول بائیں طرف، مستول اور اس کے ساتھ پرچم کا ایک چوتھائی حصّہ سفید اور اس کے بعد تین چوتھائی حصّہ سبز ہے۔ سبز حصّے کے عین وسط میں سفید ہلال اور پانچ کونے والا ستارہ ہے۔ پرچم کا گہرا سبز رنگ مسلم اکثریت کی اور سفید رنگ غیر مسلم اقلیتوں کی نمائندگی کرتا ہے اور دنیا کو امن و آشتی کا پیغام دیتا ہے۔

قومی پرچم کا احترام ہر فرد پر لازم ہے اس لیے اس کے بنانے کے بھی کچھ اصول ہیں اور پھر اس کے لہرانے کے بھی کچھ آداب ہیں۔ ان کی سختی سے پابندی کرنی چاہیے۔ ہر آزاد قوم اپنے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتی ہے۔ حامد میاں تو ساتویں جماعت میں ہیں۔ ان کی کتاب میں "بے مثل سپہ سالار" کے عنوان سے ایک سبق موجود ہے تم لوگ اسے ضرور پڑھنا۔

اس سبق میں جنگ موتہ کا ایک بڑا سبق آموز واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس جنگ میں پہلے اسلامی پرچم حضرت زید بن حارثہ رضؓ کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ زخم کھاتے رہے اور مسلسل لڑتے رہے، لیکن انھوں نے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ جب وہ شدید زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے تو پرچم کو حضرت جعفر طیار رضؓ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا تو دوسرے ہاتھ میں پرچم تھام لیا۔ وہ بھی کٹ گیا تو دانتوں سے پکڑ لیا۔ ان کا جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ لیکن انھوں نے آخری دم تک اپنے پرچم کو سربلند رکھا۔ جب وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضؓ نے پرچم تھام لیا اور اس کو سربلند رکھنے کے لیے اپنی جان دے دی اور پھر جب پرچم حضرت خالد بن ولید رضؓ کے ہاتھوں میں آیا تو انھوں نے پرچم لے کر شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ اُس روز ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور انھوں نے 'سیف اللہ' کا لقب پایا۔

"اب ذرا غور کرو اسلام میں پرچم کی کیا اہمیت ہے۔"

ابّو کی یہ باتیں سُن کر بچّے دم بخود سے ہو گئے۔ روحی کی آنکھوں میں تو آنسو اُمڈ آئے۔

ابّو بولے قومی پرچم کی اہمیت کا اندازہ قائدِ ملّت خان لیاقت علی خان کے اس بیان سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں دیا تھا۔

" پاکستان کا پرچم آزادی، خود مختاری اور مساوات کا مظہر ہے۔ یہ پرچم پاکستان کے ہر شہری کے حقوق کا محافظ ہوگا اور پاکستان کی سالمیت اور اس کے دفاع کی ضمانت بنے گا۔ یہ پرچم اس امر کی ضمانت ہے کہ ہماری آزاد اور خود مختار قوم عالمی امن کے قیام میں مُثبت کردار ادا کرسکتی ہے۔ ہم نے مدّتوں کی غلامی کے بعد

آزادی کی نعمت حاصل کی ہے یہ پرچم آزادی کے لیے ہماری جدوجہد کا امانت دار ہے اور اس امر کا ضامن بھی ہے کہ ہم خود دار ہیں اور آزادی کا احترام بھی کرتے ہیں۔ ہمارا پرچم امن و سلامتی کا نشان ہے۔ یہ صرف اپنے لیے نہیں بلکہ دُنیا بھر کے لیے امن و سلامتی کی علامت ہے۔ اس پرچم کا نہ تو کپڑا اہم ہے نہ رنگ، بلکہ وہ عظیم روایات و اقدار اہمیت کی حامل ہیں جو اس پرچم کا ماضی ہیں۔ وہ آزادی اور خود مختاری اہم ہے جو اس پرچم کا حال ہے اور پرچم کا مستقبل اس ملک کی ترقی اور بلند اقبالی ہے۔"

ماجد نے کہا: ابو! یہ بات تو ہماری سمجھ میں آگئی کہ قومی پرچم کی کیا اہمیت ہے۔ ہمیں کیوں اسے ہمیشہ بلند رکھنا چاہیے۔ کیوں کہ یہ ہمارے قومی کردار، وقار، عزت و عظمت، جرأت اور بہادری کی علامت ہے۔ آپ نے ذکر کیا تھا کہ قومی پرچم کے کچھ آداب بھی ہوتے ہیں۔ ان کی ہمیں کچھ تفصیل بتائیے۔

ابو بولے، ماجد میاں! تم نے یہ بڑی اچھی بات پوچھی ہے۔ دیکھو بھئی یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ دنیا میں ہر کام کے کچھ آداب ہوتے ہیں، اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، رہنے سہنے، ملنے جلنے، بات چیت کرنے غرض کہ ہر چیز میں کچھ باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح قومی پرچم کے بھی کچھ آداب ہیں۔ ان کی پابندی ہم سب پر فرض ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ عام دنوں میں قومی پرچم صرف اہم سرکاری عمارات پر ہی لہرایا جا سکتا ہے۔ ان اہم عمارات میں صدرِ مملکت، وزیرِ اعظم، صوبائی گورنروں، مرکزی اور صوبائی وزراء وغیرہ کے دفاتر اور ان کی رہائش گاہیں اور بیرونی ممالک میں پاکستانی سفارت خانوں کی عمارتیں شامل ہیں۔ سرکاری اہم شخصیتیں اپنی کاروں پر قومی پرچم لہرا سکتی ہیں۔ البتہ قومی تہواروں مثلاً یومِ آزادی، یومِ پاکستان وغیرہ کے مواقع پر عام لوگوں کو بھی اپنے گھروں، کاروں، اسکوٹروں، سائیکلوں وغیرہ پر قومی پرچم لہرانے کی اجازت ہے۔ لیکن اسی دن سورج غروب ہوتے ہی قومی پرچم اتار دینا ضروری ہے۔

پرچم کشائی قومی ترانے کے ساتھ ہوتی ہے۔ مہمانِ خصوصی پرچم کو لہرانے کے بعد اسے سلامی دیتا ہے۔ جب اپنے ملک یا کسی دوست ملک میں کوئی بڑا سانحہ ہو جاتا ہے تو سرکاری اعلان کے تحت ملک میں ہر جگہ قومی پرچم سرنگوں کر دیا جاتا ہے۔ یہ اِس بات کی علامت ہوتی ہے کہ تمام قوم سوگ منا رہی ہے۔

ابو یہ کہہ کر چپ ہوئے تو حامد، ماجد، اور روحی یک زبان ہو کر بولے، ابو! آپ نے تو ہمیں بڑے کام کی باتیں بتائیں، اب آپ کل دیکھیے ہم اِن شاءَ اللّٰہ تعالےٰ ان تمام آداب کے ساتھ اپنا قومی پرچم لہرائیں گے۔

مشق

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے :

۱- روحی کے بھیجے ہوئے پرچم میں کیا غلطی تھی ؟

۲- قومی پرچم کس بات کی علامت ہوتا ہے ؟

۳- ہمارا قومی پرچم سب سے پہلے کس نے تیار کیا تھا ؟

۴- لیاقت علی خان نے قومی پرچم کی اہمیت کے بارے میں کیا کہا تھا ؟

۵- عام دنوں میں قومی پرچم کہاں کہاں لہرایا جاسکتا ہے ؟

۶- قومی پرچم کس موقع پر سرنگوں کیا جاتا ہے ؟

۷- قومی پرچم کے آداب کے بارے میں ایک پیرا لکھیے۔

۸- فعل کی گردان : فعلِ حال کی پانچ قسمیں ہوتی ہیں، مضارع۔ حال مطلق، حال ناتمام، حال احتمالی اور امر۔ مصدر "آنا" سے حال کے صیغوں کی گردان اس طرح ہوگی۔

		واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
۱- مضارع	مذکر مؤنث	وہ آئے	وہ آئیں	تو آیا	تم آؤ	میں آؤں	ہم آئیں
۲- حال مطلق	مذکر مؤنث	وہ آتا ہے وہ آتی ہے	وہ آتے ہیں وہ آتی ہیں	تو آتا ہے تو آتی ہے	تم آتے ہو تم آتی ہو	میں آتا ہوں، میں آتی ہوں	ہم آتے ہیں ہم آتی ہیں
۳- حال ناتمام	مذکر مؤنث	وہ آرہا ہے وہ آرہی ہے	وہ آرہے ہیں وہ آرہی ہیں	تو آرہا ہے تو آرہی ہے	تم آرہے ہو تم آرہی ہو	میں آرہا ہوں میں آرہی ہوں	ہم آرہے ہیں ہم آرہی ہیں
۴- حال احتمالی	مذکر	وہ آتا ہو، آتا ہوگا یا آرہا ہوگا	وہ آتے ہوں، آتے ہوں گے یا آرہے ہوں گے	تو آتا ہو، تو آتا ہوگا یا آرہا ہوگا	تم آتے ہو، آتے ہوگے یا آرہے ہوگے	میں آتا ہوں، آتا ہوں گا یا آرہا ہوں گا	ہم آتے ہوں آتے ہوں گے یا آرہے ہوں گے
	مؤنث	وہ آتی ہو، آتی ہوگی یا آرہی ہوگی	وہ آتی ہوں، آتی ہوں گی یا آرہی ہوں گی	تو آتی ہو، آتی ہوگی یا آرہی ہوگی	تم آتی ہو، آتی ہوگی یا آرہی ہوں گی	میں آتی ہوں، آتی ہوں گی یا آرہی ہوں گی	ہم آتی ہوں، آتی ہوں گی یا آرہی ہوں گی
۵- امر		-	-	تو آ	تم آؤ	-	-

۶- اب آپ مصدر "جانا" سے حال کے تمام صیغے بنائیے۔

اچھّے کام

توقیر دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ "ہر وقت نصیحت، ہر بات پر پابندی، ہر کام میں روک ٹوک۔ یہ کرو، وہ نہ کرو، یہ اچھا ہے، وہ بُرا ہے۔ ہونہہ، آخر سمجھ کیا رکھا ہے بھائی جان نے۔ خوامخواہ دھونس جماتے رہتے ہیں۔ جیسے وہ کبھی چھوٹے تھے ہی نہیں اور نہ کبھی گلیوں میں کھیلتے تھے۔ خوب کھیلا کرتے ہوں گے۔ اب کالج میں کیا پہنچ گئے ہیں کہ ہر بات میں کیڑے نکالنے لگے۔" توقیر کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہلتا جاتا اور بڑبڑاتا جاتا۔ اسے بھائی جان پر بڑا غصہ آرہا تھا۔ "بھلا یہ بھی کوئی بات ہے، لے کے دوستوں کے سامنے بے عزّتی کردی۔ کیا برائی ہے کھیلنے میں، بس ڈانٹنا شروع کردیا، اچھا خاصا جیت رہا تھا۔ عبدل کو آج وہ وہ ہاتھ دکھاتا کہ وہ بھی کیا یاد رکھتا۔ کل کی ہار کا بدلہ تو لے ہی لیتا۔ مگر آگئے بیچ میں حکم چلانے کے لیے۔ چلو گھر میں، جاؤ پڑھو۔ دیکھتا ہوں کیسے پڑھاتے ہیں مجھے، میں بھی نہیں پڑھوں گا۔" توقیر اس طرح ضد کرنے لگا جیسے بھائی جان سامنے ہی کھڑے ہوں۔ "میں ابھی دادی اماں سے ان کی شکایت کرتا ہوں۔ وہ امّی ابّو سے زیادہ دادی اماں سے ڈرتے ہیں"۔

اس خیال کے آتے ہی توقیر نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور مسکرانے لگا۔ "اب آئے گی شامت بھائی جان کی۔ ایسی ڈانٹ پڑے گی کہ ہوش اُڑجائیں گے"۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہونے لگا۔

توقیر اپنی دادی کا بہت لاڈلا تھا۔ وہ اس کی بات بہت کم ٹالتی تھیں۔ دادی اماں آرام کرسی پر بیٹھی سیرت النبیؐ کا مطالعہ کررہی تھیں کہ توقیر نے پہنچتے ہی سلام کیا۔ "اَلسَّلامُ عَلَیکُم دادی اماں"۔ "وَعَلَیکُمُ السَّلام بیٹے توقیر"۔ دادی اماں نے کتاب کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "آؤ بیٹھو کہاں سے آرہے ہو؟ کچھ پریشان سے لگتے ہو، کیا بات ہے"؟ دادی اماں نے کئی سوالات ایک ساتھ کردیے۔ توقیر قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "بات تو کوئی خاص نہیں، بس آپ ذرا بھائی جان کو سمجھا دیں، ہر وقت ڈانٹتے رہتے ہیں"۔ "ظہیر تمھیں ڈانٹتا ہے! کیوں"؟ دادی اماں حیرت سے بولیں۔ "جی ہاں! آج بھی ڈانٹا تھا تمام دوستوں کے سامنے۔ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں"۔

توقیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کوئی بات تو ضرور ہوئی ہوگی، تم نے کوئی غلطی کی ہوگی؟"

دادی اماں نے توقیر کو پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں دوستوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ کھیلنا کوئی بُری بات ہے کیا؟ سب ہی کھیلتے ہیں۔ بھائی جان نہیں کھیلتے تھے کیا؟" توقیر بولا۔

"کھیلنا تو کوئی بُری بات نہیں۔ کھیلنے سے ذہنی اور جسمانی تربیت ہوتی ہے۔" دادی اماں بولیں۔

"تو پھر بھائی جان کیوں ڈانٹتے ہیں؟" توقیر نے پوچھا۔

"کیا کھیل رہے تھے تم اور کہاں کھیل رہے تھے؟" دادی اماں نے محسوس کیا کہ توقیر کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

توقیر نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ہوا یہ تھا کہ کل کنچوں کے مقابلے میں عبدل نے مجھے ہرا دیا تھا اور میرے چھ کنچے جیت لیے تھے۔ آج میں اس کا بدلہ لینا چاہتا تھا تاکہ اسے ہرا کر اپنے کنچے واپس لے لوں۔ اپنی چیز واپس لینا تو غلط نہیں ہے نا؟"

توقیر اپنے حق میں دادی اماں کی رائے ہموار کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں بیٹے! اپنی چیز تو ضرور واپس لینی چاہیے۔" دادی اماں نے توقیر کی ہمت افزائی کی مگر وہ بات کی تہ تک پہنچ چکی تھیں، پھر انھوں نے توقیر کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹے آج تم نہائے نہیں ہو کیا؟ تمھارے بال مٹی میں اَٹے ہوئے ہیں اور الجھے ہوئے بھی ہیں۔ شاید آج تم بالوں میں کنگھی کرنا بھول گئے ہو۔ کپڑے بھی کس قدر میلے ہو رہے ہیں۔ جگہ جگہ کیچڑ کے دھبّے لگے ہیں، شاید تم نے آج کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے۔"

"جی جی" توقیر گھبرا گیا، کبھی بالوں پر ہاتھ پھیرتا اور کبھی کپڑوں پر نظر ڈالتا۔

"میں نے تو صبح ہی کپڑے بدلے تھے اور کنگھی بھی کی تھی۔"

"بیٹے توقیر! میں تم سے کچھ پوچھتی ہوں۔ ان کے جواب دو۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ محمد علی جناحؒ کون تھے؟"

توقیر: جی ہاں! قائداعظم محمد علی جناحؒ بانیٔ پاکستان تھے۔

دادی اماں: کیا تم ان کا احترام کرتے ہو؟

توقیر: جی ہاں! میرے دل میں ان کا بڑا احترام ہے بلکہ مجھے ان سے محبت ہے۔

دادی اماں: کیا تم ان کی ہدایت پر عمل کرنا پسند کرو گے؟

توقیر: جی ہاں! میں دل وجان سے قائداعظمؒ کی باتوں پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔

دادی اماں: میں تمھیں قائداعظمؒ کا ایک قصہ سناتی ہوں۔ ایک دفعہ قائداعظمؒ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں بہت سے لڑکے کنچے کھیل رہے تھے۔ قائداعظمؒ ان کے پاس رُک گئے اور کہنے لگے: "دُھول مٹی میں کنچے مت کھیلو۔ اس سے تمھارا لباس میلا اور تمھارے ہاتھ گندے ہوجاتے ہیں۔ کچھ کھیلنا ہی ہے تو کرکٹ کھیلو۔ دُھول مٹی سے نکلو اور جواں مرد بنو"۔ سنا تم نے! قائداعظمؒ اس کھیل کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

توقیر گردن جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ دادی اماں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "قائداعظمؒ نے ہمیشہ اچھے کاموں کی تلقین کی ہے اور بُرے کاموں سے منع کیا ہے۔ تم پاکستانی بچے ہو، تمھیں اپنے ہر کام میں اچھائی پیدا کرنی چاہیے تاکہ پاکستان کو تم پر فخر ہو۔ تم صرف پاکستانی ہی نہیں بلکہ مسلمان بھی ہو۔ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ غلط کاموں سے پرہیز کرے اور اچھے کاموں کو اپنائے۔"

توقیر نے گردن اوپر اٹھائی اور پوچھا۔ "دادی اماں اچھے کاموں میں کون کون سے کام شامل ہیں۔"

دادی اماں: سب سے اچھا کام علم حاصل کرنا ہے۔ علم کے معنی ہیں جاننا۔ جب تک تم علم حاصل نہیں کرو گے اس وقت تک تم بھلائی اور بُرائی میں تمیز نہیں کرسکو گے۔ علم کے بعد عمل کا درجہ آتا ہے۔ پہلے جانو، سمجھو، سیکھو، پھر عمل کرو۔ نیک اور اچھے کام کرو لیکن اگر تم کنچے کھیلتے رہے تو قیمتی وقت برباد ہوجائے گا۔ اچھے کام کرنے کا جذبہ ختم ہوجائے گا۔ محنت اور مُشقّت کی عادت جاتی رہے گی، جس سے تمھیں بڑی تکلیف ہوگی۔ زندگی کی خوشیوں اور کامیابیوں کا دارومدار عملِ صالح پر ہے۔ اچھے کاموں میں صفائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "صفائی نصف ایمان ہے۔ اگر جسم اور لباس پاک صاف ہوگا تو ذہن میں بھی اچھی اچھی باتیں آئیں گی۔ بیٹے! کنچے کھیلنے سے صرف کپڑے ہی نہیں بلکہ ہاتھ پاؤں اور جسم بھی گندا ہوجاتا ہے۔ اس لیے تمھارے بھائی نے تمھیں منع کیا ہوگا۔

توقیر نے "جی!" کہہ کر نظریں جھکالیں۔

دادی اماں: توقیر میاں! مسلمانوں کے لیے ایسی عادات و اخلاق کا اختیار کرنا ضروری ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کو پسند ہوں، پابندیِ وقت کا شمار بھی اچھے کاموں میں ہوتا ہے۔ اپنے کاموں کو مقررہ وقت میں کرنا اسلام کی خاص تعلیم ہے۔ مقررہ وقت پر کام انجام دینے سے انسان بہت سی پریشانیوں سے بچ جاتا ہے۔ تمھیں چاہیے کہ پڑھنے لکھنے، کھیلنے کودنے، کھانے پینے، ملنے جلنے، سب کاموں کے لیے وقت مقرر کرلو اور ان کی پابندی کرو۔ اس طرح سے تمام کام مکمل ہوجاتے ہیں۔ ورنہ یہی کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ جس سے ناکامی

اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ سادگی بھی اختیار کرو، یہ بھی ایک اچھا کام ہے۔ لباس، خوراک، رہائش، باہمی میل ملاپ سب چیزوں میں سادگی ہو تو انسان کئی قسم کے فاضل اخراجات سے بچ جاتا ہے۔ تکلف اور بناوٹ تکلیف کا باعث ہوتے ہیں۔ اس سے بعض اوقات خرچ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ انسان مقروض ہو جاتا ہے۔ اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرنے چاہییں۔ کسی بھی اچھے کام میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ محنت ہی میں عظمت ہے۔ توقیر میاں! دادای اماں نے توقیر کو مخاطب کیا جو ان کی بات غور سے سن رہا تھا۔

توقیر: "جی دادی اماں۔"

دادی اماں: سخاوت بھی ایک بہت اچھا کام ہے، لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب تم اپنی ضروریات پر کم خرچ کر کے کچھ پس انداز کرو بلکہ زندگی کے کسی بھی کام میں اگر تم کسی ضرورت مند کی مدد کرو تو وہ سخاوت ہے۔ اگر تمہاری جماعت میں کوئی بچہ غریب ہو تو اس کی فیس ادا کرنا، اس کے لیے یونیفارم مہیّا کرنا بھی سخاوت ہے۔ کسی ایسے بچے کو جو پڑھائی میں کمزور ہو پڑھانا بھی نیکی اور ایک طرح کی سخاوت ہے۔

بیٹے توقیر! بد عہدی اور فریب دہی سے ہمیشہ بچو، وعدہ خلافی نہ کرو، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "وہ (مومن) اپنی امانتوں اور اپنے اقرار (وعدے) کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" تمہارے لیے بھی ضروری ہے کہ جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کرو اور جب کسی سے وعدہ کرو تو پورا کرو۔ تم میری باتیں سمجھ رہے ہو توقیر؟

توقیر: "جی ہاں"۔

دادی اماں: میرے بیٹے کسی کا قصور معاف کردینا نیک کام ہے، اس سے آپس کی کدورت اور رنجش دور ہو جاتی ہے اور بھائی چارا بڑھتا ہے۔ اس سے رحم دلی پیدا ہوتی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے "رحم کرو، اللہ تم پر رحم کرے گا۔"

بیٹے! ہمیشہ ایسے کام کرو جس سے حق و انصاف کا بول بالا ہو اور آپس میں میل ملاپ سے رہو۔ اچھے لڑکوں میں اُٹھو بیٹھو۔ اچھی گفتگو کرو۔ انسان اپنے دوستوں اور گفتگو سے پہچانا جاتا ہے۔ تم کیسے کن لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہو؟ دادی اماں نے اچانک سوال کر دیا۔

توقیر: دادی اماں! وہ، وہی۔ وہی لڑکے جو گلی میں رہتے ہیں۔

دادی اماں: کیا وہ لڑکے پڑھنے جاتے ہیں؟

توقیر: جی نہیں۔ وہ پڑھتے نہیں ہیں۔

دادی امّاں: کھیلتے وقت غصّے میں آ کر وہ گالی گلوچ اور مار پٹائی بھی کرتے ہوں گے"؟

توقیر: شرمندگی سے "جی ہاں"۔

دادی امّاں: علم حاصل نہ کرنا اور گالی گلوچ کرنا تو بُری بات ہے۔ اگر تم انھیں اپنا دوست کہتے ہو تو تمھیں چاہیے تھا کہ تم ان کی بُری عادتیں چھڑواتے اور اچھی عادتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ یہ بھی ایک اچھا کام ہوتا۔

توقیر: دادی امّاں اب میں کوشش کروں گا۔

دادی امّاں: شاباش! جیتے رہو! پاکستان ہمارا وطن ہے، اس سے محبّت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے ہمیں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں ہمارا رویّہ ایسا ہونا چاہیے جس سے پاکستان کی ترقی، خوش حالی اور عزّت و عظمت میں اضافہ ہو۔ اس کا دارومدار پاکستان میں اسلام کی برکتوں کو عام کرنے میں ہے، یہ بھی ایک نیک کام ہے۔

بیٹے توقیر! کسی ملک کے باشندوں کی ترقی اور خوش حالی کے لیے ملکی استحکام ضروری ہے۔ استحکام قوّت و مضبوطی کو کہتے ہیں۔ ملکی استحکام کا مطلب یہ ہے کہ ملک کی فوجی، تعلیمی اور مالی حیثیت مضبوط ہو۔ اس کے بغیر کوئی ملک قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ ملکی استحکام کے لیے جذبۂ قومی کے ساتھ ساتھ ملک کے باشندوں کا اتحاد، نظم و ضبط اور قوانین کی پابندی بھی ضروری ہے۔ ملک میں لڑائی جھگڑے، خانہ جنگیاں، افراتفری اور لاقانونیت ہوگی تو ملک کمزور ہو جائے گا۔ بیٹا! ابھی سے آپس میں میل ملاپ کی عادات ڈالو، نفرت اور بُغض و حسد کو دل میں جگہ نہ دو تاکہ بڑے ہونے پر، باہمی اتفاق اور تعاون کی ایسی مثال بن جاؤ کہ دوسرے ملک تمھارے اتحاد کو دیکھیں تو عَش عَش کر اٹھیں۔

بیٹے توقیر! اگر تم ان اچھے کاموں کو اپناؤ گے تو صرف اپنی ذات ہی کو نہیں بلکہ خاندان، قوم و ملک کو فائدہ پہنچا سکو گے۔ اتنا کہہ کر دادی امّاں توقیر کے سَر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔

توقیر: دادی امّاں! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں بھائی جان سے بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے ان کے بارے میں غلط باتیں سوچیں، میں ان سے معافی مانگوں گا۔

مشق

۱- توقیر اپنے بھائی سے کیوں ناراض ہوگیا تھا؟

۲- دادی اماں نے توقیر کی شکایات کا کیا جواب دیا؟

۳- اس سبق میں اچھے کاموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کاموں کی ایک فہرست تیار کیجیے۔

۴- علم کے کیا معنی ہیں؟ علم اور عمل کا کیا تعلق ہے؟

۵- آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسم عَلَم کی ایک قسم لقب ہے۔ لقب وہ اسم ہے جو کسی کی ذاتی خوبی یا خصوصیت کی وجہ سے اصل نام کے علاوہ پکارا جاتا ہے۔ اس سبق میں "قائدِ اعظم" محمد علی جناحؒ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ "قائدِ اعظم" محمد علی جناحؒ کا لقب ہے۔ اسی طرح "شہیدِ ملّت" لیاقت علی خان کا لقب ہے۔

مندرجہ ذیل جملوں میں سے لقب چُن کر الگ تحریر کیجیے:

(الف) حضرت علیؓ کو شیرِ خدا کہتے ہیں۔

(ب) حضرت خالدؓ کو سیف اللہ پکارا جاتا ہے۔

(ج) حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کہتے ہیں۔

(د) ٹیپو سلطانؒ کو شیرِ میسور کہا جاتا ہے۔

(ہ) علامہ اقبالؒ شاعرِ مشرق کہلاتے ہیں۔

۶- مندرجہ ذیل میں نام، کنیت، عرفیت اور تخلص چھانٹ کر علیحدہ لکھیے:

۱- رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ابوالقاسم بھی کہا جاتا ہے۔

۲- چنّو میاں گڈو سے سال بھر بڑے ہیں۔

۳- مرزا اسد اللہ خاں غالب کو لوگ مرزا نوشہ بھی کہتے ہیں۔

۴- ابنِ ماجہؒ ایک مشہور محدّث اور ابن خلدونؒ ایک مشہور عالم گزرے ہیں۔

جب فعل سے گزرا ہوا قریب کا زمانہ ظاہر ہو تو کہا جائے گا کہ فعل 'ماضی قریب' میں ہے اور جب گزرا ہوا دور کا زمانہ ظاہر ہو تو کہا جائے گا کہ فعل 'ماضی بعید' میں ہے۔

'ماضی مطلق' کے بعد "ہے"، "ہو" یا "ہیں" بڑھا دینے سے ماضی قریب بنتا ہے اور "تھا"، "تھے"، "تھیں"

بڑھا دینے سے ماضی بعید۔

مثالیں:۔ ماضی مطلق، مولوی عبدالحق کراچی آئے۔

ماضی قریب، مولوی عبدالحق کراچی آئے ہیں۔

ماضی بعید، مولوی عبدالحق کراچی آئے تھے۔

۷۔ اب آپ ماضی مطلق کے مندرجہ ذیل جملوں کو ماضی قریب اور ماضی بعید میں تبدیل کرکے لکھیے۔

منّے نے پہلا روزہ رکھا تو دوستوں اور عزیزوں کو مدعو کیا گیا۔ بہت سی افطاری منگائی گئی۔

منّے میاں بہت خوش ہوئے۔

۸۔ رسم کی جمع رسوم ہے ـــــ آپ اسی طریقے سے ان الفاظ کی جمع بنائیے:

علم، بحر، رقم، وفد۔

روشنی کے عَلَم

روشنی کے عَلَم روشنی کے نشاں
زندہ قوموں کے زندہ جواں!
اپنی پلکوں پہ نیندیں سجاتے نہیں
اپنے ہاتھوں کی شمعیں بجھاتے نہیں
توڑ دیتے ہیں زنجیرِ خوابِ گراں!
زندہ قوموں کے زندہ جواں

ان کی ہمت سے ڈرتے ہیں طوفان تک
پھیل جاتے ہیں شہروں سے میدان تک
جا کے دیتے ہیں صحرا بہ صحرا اذاں
زندہ قوموں کے زندہ جواں

جذبۂ بیکراں عام کرتے ہیں وہ
جلتے شعلوں پہ آرام کرتے ہیں وہ
گاڑ دیتے ہیں وہ عظمتوں کے نشاں
زندہ قوموں کے زندہ جواں

حوصلہ ان کا غم سے نہیں ٹوٹتا
ان کے شہروں میں سورج نہیں ڈوبتا
آگے بڑھتے ہیں وہ مثلِ سیلِ رواں
زندہ قوموں کے زندہ جواں

ساقی جاوید

مشق

۱- شاعر نے زندہ قوموں کی کیا کیا نشانیاں بتائی ہیں؟
۲- روشنی کے عَلَم سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
۳- اس نظم سے آپ نے کیا سبق حاصل کیا؟
۴- 'علم بڑی دولت ہے' کے موضوع پر ایک مضمون لکھیے۔
۵- ان الفاظ کی مدد سے نیچے دیے ہوئے مصرعے مکمل کیجیے:-

کام۔ کرتے ہیں وہ۔ شام۔ ٹوٹتا۔ قافلہ
بھاتے نہیں۔ میدان۔

جلتے شعلوں پہ آرام ....
صبح سے .... تک .... کرتے ہیں وہ
حوصلہ ان کا غم سے نہیں ٹوٹتا
.... ان کا کوئی نہیں ....
اپنی پلکوں پہ نیندیں سجاتے نہیں
اپنے ہاتھوں کی شمعیں ....
اُن کی ہمت سے ڈرتے ہیں طوفان تک
پھیل جاتے ہیں شہروں سے ...... تک

۶- اسم موصول لگا کر مندرجہ ذیل جملے مکمل کیجیے:-
۱- آپ نے .... کتاب مجھے دی تھی وہ میں نے ختم کر لی ہے۔
۲- ان دو قلموں میں سے آپ .... چاہیں لے لیں۔
۳- .... دنوں ہم کراچی میں تھے، وہاں کی آبادی اتنی نہ تھی۔
۴- .... طلبہ نے کام کر لیا ہے وہ گھر چلے جائیں۔
۵- .... بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔

مسلمانوں کی بیداری میں اقبالؒ کا حصّہ

جنگِ آزادی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو نئی نئی آفتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یوں تو ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا لیکن جب ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو ہندوؤں نے اپنی حکمتِ عملی بدل لی اور وہ انگریزوں کے ساتھ مل گئے۔ انگریزی زبان سیکھی اور حکومت کے بڑے بڑے عہدے حاصل کرنے لگے۔

سرسید احمد خان جو کہ مسلمانوں کے ایک بڑے رہنما تھے انھوں نے اس بات کو شدّت کے ساتھ محسوس کیا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے اس کا مسلمانوں کے مفاد سے کوئی تعلق نہیں۔ ظلم، زیادتی اور ناانصافی کے پے در پے کئی واقعات کے بعد انھوں نے اپنی ساری توجہ مسلمانوں کو بیدار کرنے، انھیں انگریزی تعلیم کی طرف راغب کرنے اور نئے علوم سے روشناس کرانے پر صَرف کردی۔ انھوں نے مسلسل جدوجہد کے بعد علی گڑھ میں مسلمانوں کے لیے ایک کالج قائم کیا جو بعد میں یونی ورسٹی بن گیا۔ سرسید کے ساتھ ان کے ساتھی خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔

علامہ اقبالؒ نے بھی اس بات کو شدّت کے ساتھ محسوس کیا۔ وہ ایک فلسفی اور شاعر تھے۔ ہر بات پر خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی، گہری نگاہ رکھتے تھے۔ تاریخ اور اسلامیات سے بھی ان کو خصوصی دلچسپی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کو معاشی، علمی اور سیاسی کمزوریوں کا احساس دلایا۔ انھوں نے بتایا کہ غلامی سب سے بڑی لعنت ہے۔ جو لوگ غلام ہوتے ہیں ان کا جذبۂ حرّیت ختم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بے بس، مجبور اور کمزور سمجھنے لگتے ہیں اور یہ قدرتی بات ہے کہ جو آدمی اپنے آپ کو مجبور سمجھے گا وہ حالات اور واقعات کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ دوسروں کی غلامی میں رہ کر ایک جبر کی زندگی گزارتا ہے۔ اس کی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ وہ دوسروں کے حکم کا منتظر رہتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے یہ سارے حقائق بیان کرتے ہوئے قوم کے نوجوانوں سے کہا کہ:

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

اسی طرح علامہ اقبالؒ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے اور حالات کا پامردی سے مقابلہ کرنے کی بار بار تلقین کی ہے

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کو بڑا حوصلہ بخشا تاکہ وہ دشمن کی یلغار، ہندوؤں اور انگریزوں کی بے جا دشمنی اور حالات کی ستم ظریفی سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ یہ وہ وقت تھا جب ہندو اور انگریز مسلمانوں پر جائز، ناجائز دباؤ ڈال رہے تھے۔ لیکن دوسری طرف قائدِ اعظمؒ علامہ اقبالؒ اور دوسرے رہنما ایک چٹان کی مانند جمے ہوئے تھے۔ دشمنوں کی شدت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے سامنے عمل کی راہیں خود بخود کھلنے لگیں۔ یہ اللہ کا خاص فضل و کرم تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر جوں جوں مصیبتیں پڑتی گئیں ان کے حوصلے اور بھی بلند ہوتے چلے گئے۔



اس دور میں ہندو معاشی میدان میں بھی مسلمانوں کا حق مار رہے تھے۔ انگریز معاشی اور سیاسی میدان میں مسلمانوں کی حق تلفی کر رہے تھے لیکن مسلمان بھی اپنے جائز حقوق سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔ جب مسلمان ان حالات میں ہر طرف سے گھر گئے تو انھوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا

کہ یہ وقت محض اپنے حقوق طلب کرنے کا نہیں بلکہ اپنے لیے الگ ملک، ایک الگ وطن حاصل کرنے کا ہے تاکہ اپنے وطن میں آزاد رہ کر اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ اس عزم کا اظہار علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۰ئ میں الہ آباد کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا:

"مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی یہ حالت نہیں کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو، وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور اس کی زبان بھی ایک ہی ہو۔ ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل، زبان، مذہب سب ایک دوسرے سے جُدا جُدا ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں کوئی ایک قوم نہیں۔ پس یہ امر کسی طرح بھی نامناسب نہیں کہ مختلف حلقوں کے وجود کا خیال کیے بغیر ہندوستان کے اندر ایک اور اسلامی ہندوستان قائم کریں۔ میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبۂ سرحد، سندھ، بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔"

چند صوبوں کو ملا کر ایک ملک بنانے کی تجویز نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کا ایک موقع فراہم کیا۔ اس خطبے میں علامہ اقبالؒ نے ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے دِل کی بات کہہ دی تھی۔ ہندوؤں نے سوچا کہ اگر مسلمان اپنے اس مطالبے پر اڑ گئے تو ان کو اپنے اس ارادے سے باز رکھنا ناممکن ہو جائے گا۔

علامہ اقبالؒ کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے مسلمان قوم میں پیدا ہو جانے والی مایوسی کو ختم کیا۔ اس بات کا احساس دلایا کہ مایوس ہو جانے والی قومیں کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔ انھوں نے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ ہم اسلامی اصولوں پر سختی کے ساتھ عمل کریں۔ حرّیت اور غیرت کے جذبے کو بیدار کریں۔

علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے اس بات کی تعلیم دی کہ ہمیں اچھے اور بُرے میں تمیز کرنی چاہیے۔ حق و باطل کے فرق کو بہتر طور پر سمجھنا چاہیے۔ اسلام ہی دنیا کا وہ مذہب ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے۔ اگر ہم پھر سے صداقت، شجاعت، عدالت کا سبق پڑھیں اور عملی طور پر ان پر عمل کریں تو ہم پھر سے دنیا کی ایک عظیم قوم بن سکتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کے اسلامی انقلاب نے پوری قوم میں ایک بیداری پیدا کر دی اور اس طرح مسلمانوں کی کایا پلٹ گئی۔ سیاسی شعور کی بیداری نے مسلمانوں کو یک جا کر دیا اور انھوں نے قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی سرکردگی میں پاکستان حاصل کر لیا۔ اب ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے اس

پیارے وطن پاکستان میں اسلامی تعلیمات کو عام کریں۔ آپس کے اختلافات کو ختم کریں اور ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لیے دِل و جان سے کوشش کریں۔

علاّمہ اقبالؒ ہمیں اپنی قومی خدمات کی وجہ سے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

مشق

۱۔ جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
۲۔ سر سیّد احمد خان نے مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب کیوں دی؟
۳۔ علامہ اقبال نے الہ آباد کے اجلاس میں مسلمانوں کو کیا پیغام دیا؟
۴۔ علامہ اقبال نے آزادی اور غلامی کے فرق کو کس طرح واضح کیا؟
۵۔ علامہ اقبال کا بڑا کارنامہ کیا ہے؟
۶۔ ہمیں پاکستان کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
۷۔ آپ چند لوگوں کے نام ان کے خطابات کے ساتھ لکھیے۔

ماضی ناتمام:۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں کام جاری تھا۔ جیسے وہ کھا رہا تھا یا کھاتا تھا۔ آخری حالت سے عادت ظاہر ہوتی ہے۔ جس کے ظاہر کرنے کی دو صورتیں اور بھی ہیں۔ جیسے کھایا کرتا تھا۔ کھاتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ماضی ناتمام ایک اور طرح ظاہر کی جاتی ہے۔ مثلاً کھاتا رہا۔ کھاتا۔

نوٹ: ماضی کی اس قسم کو ماضی استمراری اور ماضی جاری بھی کہتے ہیں۔

۸۔ اس سبق میں سے ماضی ناتمام کے تین جملے تلاش کر کے لکھیے:

فرض شناسی

مدینہ منورہ کی بستی میں رات گہری ہو چکی تھی۔ ہر سُو اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔ سوائے ایک گھر کے جہاں سے بچّوں کے رونے کی آواز آرہی تھی اور سکوت کے باعث دور سے سنی جا سکتی تھی۔ اس اندھیری رات میں ایک شخص اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ یونہی پھرتے پھراتے اس کا گزر اس مکان کے قریب سے ہوا۔ بچّوں کے رونے کی آواز! وہ بھی رات کے اس سمے! اسے تعجّب سا ہوا اور تجسّس بھی۔ ذرا رُک کر اس نے اس کے سبب پر غور کیا۔ کچھ سمجھ میں نہ آسکا۔ بچّوں کے رونے کی مسلسل آواز اس کے قدم روک رہی تھی۔ سبب جانے بغیر وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ کچھ سوچ کے اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے پوچھا گیا کون ہے؟ جواب میں اس نے سلام کیا۔ اندر سے آواز آئی "وَعَلَیکُمُ السَّلَامُ وَرَحمَۃُ اللّٰہِ"۔ آواز کسی عورت کی تھی۔ جس نے سلام کا جواب دینے کے بعد آنے والے سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اس کے آنے کا سبب کیا ہے؟ آنے والے نے جواب دیا "میں اِدھر سے گزر رہا تھا۔ بچّوں کے رونے کی آواز سُن کر آگے نہ بڑھ سکا۔ کیا بات ہے، بچّے کیوں رو رہے ہیں؟" اندر سے جواب ملا: "سبب جاننا چاہتے ہیں تو اندر آکر خود دیکھ لیں"

اجنبی شخص دروازے سے اندر داخل ہوا، دیکھا کہ ایک جانب جلتے چولھے پر کچھ پک رہا ہے، دوسری جانب کچھ بچّے بھوک سے بے تاب رو رہے ہیں۔ ایک عورت لمبی چادر اوڑھے ایک جانب چپ چاپ کھڑی ہے۔

اجنبی شخص نے پوچھا: "کیا بات ہے؟ تم نے کھانا تیار کرنے میں اتنی دیر کیوں کی؟" عورت نے جواب دیا: "کیا کروں، آج گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں۔ پھر میں انھیں کیا کھلاتی؟" اجنبی نے پوچھا: "تو پھر اب اس چولھے پر کیا پک رہا ہے؟" جواب ملا: "خود ہی دیکھ لیجیے"۔ اجنبی نے جاکر دیکھا تو چولھے پر چڑھی دیگچی میں صرف پانی اُبل رہا تھا۔ جب کہ بچّے اس امید میں بیٹھے تھے کہ کھانا تیار ہو رہا ہے۔ اجنبی کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس نے عورت سے کہا: "میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ

رخصت ہوگیا اور عورت بچّوں کو بہلانے لگی۔

اجنبی وہاں سے رخصت ہو کر دبے پاؤں ایک مکان میں داخل ہوا کہ سوئے ہوئے لوگوں میں سے کسی کی آنکھ نہ کھل جائے۔ اندھیرے ہی میں کچھ سامان جمع کر کے ایک کپڑے میں باندھ لیا۔ پھر اس گٹھڑی کو کاندھے پر ڈال کر چل دیا۔ قدموں کی آہٹ سے وہاں سوئے ہوئے ایک شخص کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھبرا کر پوچھا: کون ہے؟" جواب ملا:"میں ہوں عمر۔ تم اطمینان سے سوئے رہو۔" لیکن آدمی اٹھ کر بیٹھ گیا اور تعجّب سے بولا: "مگر آپؓ! اس وقت بیت المال میں!" جواب ملا:" ہاں، ایک بیوہ عورت اور اس کے بچّوں کو کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا تھا۔" آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔ بولا" تو آپؓ نے مجھے یاد فرمالیا ہوتا۔" جواب ملا" تم دن بھر کام کر کے سوئے تھے۔ اس لیے میں نے تمھیں اِس وقت تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔" وہ بڑے ادب سے بولا:"یا امیرالمومنین! مسلمانوں کی خدمت کرنے میں تکلیف کیسی؟" پھر آگے بڑھا اور سامان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا:" لایئے یہ سامان میں اٹھالوں"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا!" ابھی تمھی تو کہہ رہے تھے، مسلمانوں کی خدمت میں تکلیف کیسی۔ پھر مجھے کیوں اس خدمت سے محروم کرتے ہو؟" غلام عرض کرتا ہے!" بھلا آپ سے بڑھ کر مسلمانوں کی خدمت کرنے والا کون ہے کہ دن رات اسی میں مشغول رہتے ہیں۔ اپنے آرام کی بھی پروا نہیں کرتے"۔ حضرت عمرؓ بڑی محبّت سے فرماتے ہیں:"کس وقت آرام کروں، دن کو آرام کروں اور تم لوگوں کی خبر گیری نہ کروں تو تم تباہ ہو جاؤ رات کو عبادت نہ کروں۔ پڑا سوتا رہوں تو میں تباہ ہو جاؤں"۔ غلام پھر آگے بڑھا بولا:" اس گٹھڑی میں تو خاصا بوجھ ہے مجھے دیجیے، میں اٹھا کر آپؓ کے ساتھ چلا چلوں"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:" آج تو تم میرا بوجھ اٹھا لو گے۔ لیکن کل قیامت کے روز میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟ لہٰذا بہتر ہے میرا بوجھ مجھی کو اُٹھانے دو۔ رعایا کی خبر گیری امیر کا فرض ہے۔ قوم کا سردار دراصل قوم کا خادم ہوتا ہے۔ خدا کی قسم اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری کا بچّہ بھی بھوکا مر جائے تو اس کی بازپُرس قیامت کے روز عمرؓ سے ہوگی"۔ یہ کہہ کر غلام کو حیران و پریشان چھوڑ کر خود گٹھڑی اُٹھائے روانہ ہو گئے۔

اِسی طرح گٹھڑی اٹھائے وہ بیوہ کے مکان پر پہنچے۔ دروازے پر دستک دے کر سلام کیا۔ اندر سے سلام کے جواب کے ساتھ بیوہ عورت کی آواز سنائی دی:" معلوم ہوتا ہے آپ وہی ہمدرد انسان ہیں جو ابھی کچھ دیر پہلے تشریف لائے تھے۔ آیئے اندر آجایئے"۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ گٹھڑی فرش پر رکھی اور بولے:" یہ میں کچھ کھانے پینے کا سامان لایا ہوں"۔ پھر ان کی نظر چولھے کی طرف گئی چولھے کی آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ افسردگی سے بولے:"شاید مجھے دیر ہوگئی! لیکن خیر، میں آگ جلاتا ہوں، تم اتنے آٹا گوندھو"

عورت جلدی سے آگے بڑھی "نہیں نہیں آپ کی اتنی مہربانی کافی ہے کہ اتنے رات گئے سامان لے آئے۔ اب باقی کام میں خود کرلوں گی"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟ تمھارے بچوں کو جتنی جلدی روٹی ملے گی مجھے اتنی ہی زیادہ خوشی ہوگی۔ بے چارے بھوکے پیاسے روتے روتے سو گئے ہیں۔" پھر آپؓ نے آگے بڑھ کر آگ جلادی۔ عورت آپؓ کی ہمدردی سے متاثر ہوکر دعائیں دینے لگی۔ "اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ کس قدر مہربان انسان ہیں۔ آگ جل گئی ہے، اب آپ زحمت نہ فرمائیں، جاکر آرام کریں، میں ابھی روٹی ڈال کر بچوں کو کھلائے دیتی ہوں۔"

حضرت عمرؓ بیٹھے رہے اور عورت سے مخاطب ہوکر بولے: "اگر تم میرے آرام کا پوچھتی ہو تو مجھے اس وقت آرام ملے گا جب میں ان معصوم بچوں کو اپنے سامنے پیٹ بھر کر روٹی کھاتے دیکھوں گا۔ کیا تم مجھے اس خوشی سے محروم رکھنا چاہتی ہو؟" عورت جلدی سے بولی: "نہیں نہیں۔ مجھے تو محض آپ کی تکلیف کا خیال تھا۔ آپ کو زبردستی رخصت کرنا میرا مقصد نہ تھا۔" حضرت عمرؓ بولے: "اچھا تو پھر ذرا جلدی جلدی روٹی پکاؤ میں تمھارے بچوں کو بیدار کرتا ہوں۔"

عورت جلدی جلدی روٹی پکانے لگی۔ حضرت عمرؓ بڑی محبّت و شفقت سے بچوں کو جگانے لگے۔ بچے بھی نیند سے اٹھ بیٹھے اور سامنے کھانا پاکر خوش ہوگئے۔ آپؓ نے اپنے سامنے بیوہ اور بچوں کو کھانا کھلایا۔ عورت اپنے بچوں کو خوش دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

مشق

۱۔ رات کی تاریکی میں کون مدینہ منورہ میں اِدھر اُدھر پھر رہا تھا؟

۲۔ جب حضرت عمرؓ اس گھر میں داخل ہوئے تو انھوں نے کیا دیکھا؟

۳۔ غلام نے حضرت عمرؓ سے کیا کہا؟

۴۔ یہ الفاظ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

اندھیرا۔ سکوت۔ مسلسل۔ اجنبی۔ جانب۔

۵۔ اِن الفاظ کے واحد یا جمع لکھیے:

بستیاں۔ مکانات۔ آواز۔ چادروں۔ دیگچی۔ گٹھڑی۔

۶۔ حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی فرض شناسی کا یہ واقعہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

مناظرِ پاکستان

ہمارے چھوٹے ماموں جان کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق ہے۔ وہ ہر سال پاکستان کے کسی نہ کسی علاقے کی سیر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑا خوبصورت ملک عطا کیا ہے۔ ہمارے ملک کے جیسے خوبصورت مناظر بہت کم ملکوں میں نظر آتے ہیں۔ ان کے پاس محکمہ سیر و سیاحت کے شائع کیے ہوئے بہت سے رنگین پمفلٹ بھی ہیں۔ ان میں جو مناظر دکھائے گئے ہیں، میں انھیں دیکھ کر سوچا کرتا تھا کہ کاش کبھی انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھوں!

خدا کی شان دیکھیے۔ ایک دن ماموں جان آئے۔ میں اپنے سالانہ امتحان کی تیاری میں مصروف تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے، اگر اس سال بھی تم اچھے نمبروں سے کامیاب ہو گئے تو تمھیں وادیٔ سوات کی سیر کرائیں گے۔ میں نے اور بھی زیادہ محنت شروع کر دی اور ان کی شرط پوری کر دی۔ وہ بھی وعدے کے پکے نکلے۔ جوں ہی گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہوئیں، سفر کی تیاری شروع ہو گئی۔ انھوں نے ریل کی بکنگ تو پہلے ہی سے کروالی تھی۔ اِس لیے ہم بڑی آسانی سے راول پنڈی پہنچ گئے۔ وہاں ہماری چھوٹی خالہ رہتی ہیں۔ ان کے یہاں دو دن قیام کیا۔ یوں تو راول پنڈی کے آس پاس بھی بڑے خوبصورت مقامات ہیں۔ مری ہے، ایوبیہ ہے، نتھیا گلی ہے، راول ڈیم ہے، مگر ہمارے دِل میں تو وادیٔ سوات بسی ہوئی تھی۔ چناں چہ تیسرے دن ہم اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم ریل کے ذریعے بھی درگئی تک جا سکتے تھے۔ لیکن ماموں جان نے کہا کہ بس کے سفر میں زیادہ لطف آئے گا۔ بس میں سیٹیں بھی آرام سے مل گئیں، اور ہم پشاور روڈ پر چلتے ہوئے نوشہرہ پہنچے۔ وہاں تھوڑی دیر بس ٹھہری، پھر ہم سنگورہ کی طرف چل پڑے۔ سرسبز و شاداب علاقے سے گزر کر آگے مالا کنڈ کی بے آب و گیاہ پہاڑیاں آگئیں۔ ایک طرف دیوہیکل سُرخ و سیاہ چٹانیں، دوسری طرف ہزاروں فٹ گہری کھائیاں، پھر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر خطرناک موڑ۔ ہر موڑ پر دِل دہل جاتا تھا کہ ذرا بس پھسلی اور سیدھے پاتال میں پہنچے۔ ان پہاڑیوں سے اللہ کا جلال ٹپکتا ہے، اور حفیظ جالندھری کی نظم "درّۂ خیبر" کا یہ شعر یاد

آتا ہے کہ: ؎

نہ اس میں گھاس اگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمین سے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں

اللہ اللہ کرکے مالاکنڈ کی پہاڑیوں کا سلسلہ ختم ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ دُنیا ہی بدل گئی ہے۔ ایسا لگا جیسے جنّت میں آگئے ہیں۔ ہر طرف تاحدِ نظر ہریالی ہی ہریالی! سڑک کے دونوں طرف بادام اور اخروٹ کے سائے دار درخت، جگہ جگہ سیب، آلوچے، آلو بخارے اور خوبانی کے باغ، ساتھ ساتھ لہراتا بل کھاتا دریائے سوات اور چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑوں کی آسمان سے باتیں کرتی چوٹیاں اور پھر پہاڑوں پر جگہ جگہ چاندی جیسی چمکتی ہوئی لکیریں، یہ چاندی جیسی چمکتی ہوئی لکیریں دراصل پہاڑوں کی پگھلتی ہوئی برف کا ٹھنڈا اور صاف و شفاف پانی ہے۔ جو چشموں کی صورت میں چٹانوں سے ٹکراتا، لہراتا بل کھاتا اور شور مچاتا پہاڑوں سے نیچے گرتا ہے اور پھر پہاڑی نالوں کی شکل میں مختلف مقامات پر دریائے سوات میں گرتا ہے۔ یہ پانی کہیں کہیں خوبصورت آبشاروں کی شکل بھی اختیار کرلیتا ہے۔ لوگ دُور دُور سے ان چشموں اور آبشاروں کو دیکھنے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ جُوں جُوں ہم آگے بڑھتے جارہے تھے، مناظر حسین سے حسین ہوتے جارہے تھے۔ قدرت کی اِن نیرنگیوں سے لطف اندوز ہوتے ہم شام سے ذرا پہلے منگورہ پہنچ گئے۔ شہر کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے، اپنا سامان رکھا، پھر نہا دھو کر چائے پی اور شہر کی سیر کو گئے۔ ایک ہوٹل میں کڑھائی گوشت کھایا۔ یہاں کا کڑھائی گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ دوسرے دن صبح سویرے ناشتا کرکے سیدو شریف کی سیر کو چل پڑے۔ سیدو شریف منگورہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک خوبصورت مقام ہے۔ ہم تھوڑی سی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ یہاں سابق والیٔ سوات کا سنگِ مرمر کا ایک خوبصورت محل ہے۔ جسے وہائٹ پیلس (سفید محل) کہتے ہیں۔ اس کے پہلو میں چنار کے درختوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں ایک خوبصورت نشست گاہ ہے۔ دائرے کی شکل میں سیمنٹ کی بینچیں بنی ہیں۔ سامنے ہی ایک دو چائے خانے اور چند مقامی دستکاریوں کی دُکانیں ہیں۔ چاروں طرف بڑی خوبصورت پہاڑیاں ہیں۔ ان پہاڑیوں سے اعلیٰ قسم کا سنگِ مرمر حاصل ہوتا ہے۔ یہاں پہاڑیوں میں کئی چشمے ہیں۔ ان کا پانی بے حد ٹھنڈا اور صاف و شفاف ہوتا ہے۔ اسی قسم کا ایک چشمہ وہائٹ پیلس (سفید محل) کے بھی بالکل قریب ہے۔

ہم نے منگورہ اور سیدو شریف کی خوب سیر کی۔ لیکن ابھی وادیٔ سوات کا اصل حُسن دیکھنا باقی تھا۔ چوتھے دن ہم ویگن کے ذریعے مَدین روانہ ہوگئے۔ منگورہ سے مَدین، بحرین اور کالام تک سڑک پختہ اور بڑی صاف ستھری ہے اور دریائے سوات کے کنارے کنارے چلی جاتی ہے۔ راستے میں کئی چشمے بھی ملتے

ہیں۔ ہم جُوں جُوں اُوپر جاتے ہیں، ہوا میں خنکی بڑھتی جاتی ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں اونچی ہوتی جاتی ہیں۔ دریا کی تیزی اور تندی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور روپ نکھرتا جاتا ہے۔

مَدین یوں تو ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ لیکن بڑی ہی خوبصورت جگہ ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مَدین سے کالام تک کا علاقہ وادیٔ سوات کا دِل ہے۔ دریائے سوات مَدین کے عین وسط سے گزرتا ہے۔ یہاں دریا پر ایک پکا پل بنا ہوا ہے۔ چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ جن کی چوٹیوں پر جمی ہوئی برف چاندی کی طرح چمکتی ہے۔ اگر کوئی چاہے تو وہ اپنے ہوٹل کی بالکونی میں بیٹھے ہوئے بھی ان مناظر کا لطف اٹھا سکتا ہے۔ پاس ہی ایک خوبصورت پہاڑی پر اعلیٰ قسم کے ہوٹل ہیں۔ ذرا فاصلے پر دریائے سوات پر 'ہینگنگ برج' یعنی جھولتا پُل ہے۔ اس قسم کے پُل دریائے سوات پر کئی جگہ بنے ہیں۔ دراصل دریا کے دونوں کناروں پر دو پختہ چبوترے بنائے جاتے ہیں۔ پھر مضبوط آہنی رَسّوں کو تان کر اور ان پر لکڑی کے تختے جما کر یہ پُل بنائے جاتے ہیں۔ پہلے پہل ان پر چلیے تو ذرا خوف سا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن پھر بڑا لطف آتا ہے۔ یہ پُل یہاں کے رہنے والوں کے لیے بھی سہولت پیدا کرتے ہیں اور سیر و سیاحت پر آئے ہوئے لوگوں کے لیے بھی تفریح کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ لوگ ان پر کھڑے ہو کر دریا کا نظارہ کرتے اور تصویریں کھنچواتے ہیں۔ وادیٔ سوات میں دریا کو عبور کرنے کا ایک اور انوکھا طریقہ ہے۔ یہ یہاں کے لوگوں کی نرالی ایجاد ہے۔ دریا کے دونوں کناروں پر دو مضبوط ستون گاڑ کر اُن کے سروں پر چرخیاں لگادی جاتی ہیں۔ پھر ایک رسّے کے وسط میں ایک جھولا سا لٹکا دیا جاتا ہے۔ وہاں ایک کنارے پر ایک آدمی بیٹھا رہتا ہے۔ آپ نے اسے اشارہ کیا اس نے چرخیوں کی مدد سے رَسّے کا ایک سرا کھینچنا شروع کیا۔ جھولا حرکت کرتا ہوا آپ کے پاس آگیا۔ آپ نے اشارہ کیا اس نے رَسّے کا دوسرا سرا کھینچنا شروع کیا۔ آپ کا جھولا آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ آپ اُترے، اُجرت ادا کی اور سیر کو چل دیے۔ ہم ایک جگہ اس قسم کے جھولے میں بیٹھے۔ ڈر بھی لگا اور لطف بھی آیا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا، گویا ہم آسمان میں اڑے چلے جارہے ہیں۔

سوات میں لطف کی ایک اور چیز وہاں کی پن چکیاں ہیں۔ لوگ تیز رفتار چشموں کا رُخ موڑ کر اپنے گھروں کے آنگنوں تک لے آتے ہیں۔ اوپر جھونپڑی ہے اس کے نیچے سے شور کرتا ہوا چشمہ بہہ رہا ہے، چشمے پر پَن چکّی لگی ہے۔ پانی کے زور سے پَن چکّی کا پنکھا گھوم رہا ہے، پَن چکّی چل رہی ہے۔ آٹا پس رہا ہے۔ اِس قسم کی ایک پَن چکّی ہمارے ہوٹل کے پاس ہی پُل کے پہلو میں نصب تھی۔ ہم بڑے شوق سے اسے دیکھتے اور اسمٰعیل میرٹھی کا یہ شعر دُہراتے:؎

نہر پر چل رہی ہے پن چکّی
دُھن کی پوری ہے کام کی پکّی

پن چکّی کے پاس ہی ایک اور چشمہ ہے۔ جو ایک بڑی چٹان سے نکل کر نیچے گرتا ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا کسی نے یہاں کوئی نل لگا دیا ہو۔ صبح و شام بستی کی عورتیں یہاں سے اپنی گاگریں بھر بھر کر لے جاتی ہیں۔ دریا کے کنارے دُور دُور تک چکنی چکنی کنکریاں اور پتھر ہیں۔ جن پر قدرتی طور پر خوشنما بیل بوٹے اور نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ اگر انھیں عمارتوں کی آرائش کے لیے استعمال کیا جائے تو عمارتیں بہت خوبصورت نظر آئیں۔ معلوم نہیں لوگ اِس طرف توجہ کیوں نہیں دیتے۔ بستی سے کچھ دُور ایک اور پُرفضا مقام پر ایک ماہی خانہ ہے، یہاں بڑے بڑے حوض بنے ہوئے ہیں۔ جن میں سُرخ رنگ کی بڑی خوبصورت مچھلیاں ہیں۔ جو لوگ مَدیَن آتے ہیں وہ یہ ماہی خانہ دیکھنے ضرور جاتے ہیں۔

مَدیَن سے آٹھ دس کلومیٹر آگے ایک اور خوبصورت مقام ہے۔ اسے بَحرَین کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اس کے عین وسط میں ایک تیز رفتار پہاڑی ندی دریائے سوات میں گرتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے اس بستی کو بَحرَین یعنی دو دریاؤں والا مقام کہتے ہیں۔ اس سے ذرا پہلے یہ ندی ایک اونچے مقام سے آبشار کی صورت میں گرتی ہے۔ اس کے پاس ہی ایک ہوٹل ہے۔ اس ہوٹل کی نچلی منزل کے برآمدے میں بیٹھیے تو آبشار آپ کے پہلو میں ہوگا۔ اس کے پانی کی پھواریں آپ کی میز تک آئیں گی۔ یہاں بیٹھ کر چائے پینے میں بڑا لُطف آتا ہے۔ بَحرَین میں بھی چشموں کی بہتات ہے۔ گلی کوچوں میں بھی چشمے نظر آتے ہیں۔ ہر طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ لوگ ان کی چوٹیوں تک جگہ جگہ مکان بنا کر رہتے ہیں۔ وہاں مرغیاں، بھیڑیں، بکریاں سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ یہ لوگ وہاں چھوٹی موٹی کاشت بھی کر لیتے ہیں۔ بس یہ سمجھیے کہ ان کی اپنی ایک دنیا ہے جو ان پہاڑوں پر آباد ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین کے نہیں بلکہ آسمان کے باشندے ہیں۔ یہ لوگ پہاڑوں پر اُترنے اور چڑھنے میں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ پلک جھپکتے زمین پر ہیں تو پلک جھپکتے آسمان پر۔

بَحرَین سے آگے بڑھیے تو کالام آتا ہے۔ اسے قدرتی مناظر کی جنّت کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ جدھر چلے جائیے قدرت کی رنگینیاں ہی رنگینیاں بکھری ہوئی ہیں۔ بس کے اڈّے کے سامنے ہی دریائے سوات ہے۔ مگر یہاں اس میں وہ تیزی اور تندی نہیں جو مَدیَن اور بَحرَین میں نظر آتی ہے۔ یہاں اس کا پاٹ کافی چوڑا ہے اور یہ کئی شاخوں میں بٹ کر بہتا ہے۔ پاس ہی اس

دریا کا منبع ہے۔ یہاں دیکھیے تو یہ دریا ایک معصوم سا چشمہ نظر آتا ہے اور یقین نہیں آتا کہ یہی وہ معصوم سا چشمہ ہے جو ذرا دُور جا کر ایک بحرِ زخّار بن جاتا ہے۔

کالام پر پکی سڑک کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے کچّا راستہ ہے جس پر صرف جیپ ہی چل سکتی ہے۔ اگر آپ کالام سے آگے جانا چاہیں۔ تو پھر آپ کو کوئی جیپ کرائے پر لینی پڑے گی۔ کالام سے آگے پہاڑی موڑ بھی بڑے خطرناک ہیں۔ یہ راستہ پہاڑوں سے ہوتا ہوا وادیٔ چترال میں نکلتا ہے۔ اس راستہ پر مقامی لوگ یا مُہم جُو ہی سفر کرتے ہیں۔ سردیوں میں برف باری کی وجہ سے یہاں آمد ورفت ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن لوگ برف باری کا بھی لطف اٹھانے کے لیے یہاں آتے ہیں۔

سوات میں جگہ جگہ شہد کی مکھیّوں کے فارم ہیں۔ جہاں بڑے پیمانے پر شہد کی مکھیاں پالی جاتی ہیں، اور اُن سے شہد حاصل کیا جاتا ہے۔ سوات کا شہد ساری دنیا میں مشہور ہے۔ جو بھی سوات آتا ہے وہ اپنے ساتھ سوات کا یہ تحفہ ضرور لے جاتا ہے۔ شہد کی مکھیوں کے یہ فارم قابلِ دید ہیں۔ شہد کی مکھیّاں پالنے کے لیے لکڑی کے بڑے خوبصورت مکان نما پنجرے بنائے جاتے ہیں۔ جن میں وہ اپنے چھتّے بناتی ہیں۔ یہ مکھّیاں اپنے مالک سے بہت مانوس ہوتی ہیں یہ اپنے مالک کے اشارے پر اُڑ جاتی ہیں اور پھر آکر بیٹھ جاتی ہیں۔ لوگ یہ تماشہ حیرت سے دیکھتے رہتے ہیں۔

ہم سیر کر کے جب سوات سے واپس لوٹنے لگے تو میں نے ماموں جان سے کہا: "واقعی آپ نے بڑی خوبصورت جگہ کی سیر کرائی۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔" ماموں جان بولے: "ارے میاں! ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ ابھی تو پاکستان میں دیکھنے کے لیے اور بہت کچھ ہے، آئندہ سال اِن شاءَ اللہ تمھیں وادیٔ کاغان کی سیر کرائیں گے۔ تم نے دریائے سوات دیکھ لیا، اب دریائے کنہار دیکھنا۔ ایبٹ آباد، مانسہرہ، بالاکوٹ، شوگران اور کاغان ہوتے ہوئے ناران تک چلیں گے اور پھر جھیل سیف الملوک بھی دیکھیں گے۔ وہاں چاندنی راتوں میں شمال کی طرف سے مرغابیوں جیسے سفید پرندوں کے پرّے کے پرّے آ آ کر اترتے ہیں۔ شاید انھی کو دیکھ کر کہا گیا ہوگا کہ یہاں چاندنی راتوں میں پریاں آکر نہاتی ہیں۔ وادی کاغان کے علاوہ بھی کئی اور حسین مقامات ہیں۔ جو قدرتی حسن میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ مظفر آباد ہے۔ گلگت ہے، ہنزہ ہے، دیر ہے، چترال ہے۔ اور پھر چترال سے آگے کافرستان کا انتہائی حسین علاقہ ہے۔ جہاں کے لوگ اپنے رسم و رواج اور رہن سہن کے لحاظ سے قابلِ دید ہیں۔ بلوچستان کی طرف چلے جائیے تو کوئٹہ ہے۔ ہنّہ جھیل ہے، زیارت ہے، چمن

ہے، وہاں کی زمین دوز کاریزیں اور وہاں کے پھلوں کے باغات ہیں۔ یہ سب قدم قدم پر دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔ ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں اتنا پیارا اور اتنا خوبصورت ملک عطا کیا ہے۔"

مشق

۱۔ نوشہرہ سے مالاکنڈ تک راستے کا حال بتائیے۔
۲۔ مالاکنڈ کی پہاڑی سلسلے کے بعد سے منگورہ تک کے راستے کے مناظر کا حال اپنے الفاظ میں لکھیے۔
۳۔ بچوں نے سیدو شریف میں جاکر کیا کیا دیکھا؟
۴۔ مدین کے مناظر اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
۵۔ وادیٔ سوات میں لوگ دریا کو کس انوکھے طریقے سے عبور کرتے ہیں؟
۶۔ پن چکی کس طرح چلتی ہے؟
۷۔ "بحرین" کو بحرین کیوں کہتے ہیں؟
۸۔ کالام کو قدرتی مناظر کی جنت کیوں کہا جاتا ہے؟
۹۔ اس سبق میں جو اسمائے مشتق استعمال ہوئے ہیں، انھیں اپنی کاپی میں لکھیے۔
۱۰۔ اس سبق میں سے ماضی قریب اور ماضی بعید کے تین تین جملے تلاش کرکے لکھیے۔

جاگ رہا ہے پاکستان

اپنی قوت اپنی جان
لَآ اِلٰــہَ اِلاَّ اللّٰــہ
مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰــہ
ہر پل ہر ساعت ہر آن
جاگ رہا ہے پاکستان.................پاکستان

نکلے ہیں مردانِ حق!
سینوں میں لے کر قرآن
ہم سے رہے باطل ہشیار
ہم ہیں اک چڑھتا طوفان

اپنی قوت اپنی جان
لَآ اِلٰــہَ اِلاَّ اللّٰــہ
مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰــہ
ہر پل ہر ساعت ہر آن
جاگ رہا ہے پاکستان.............پاکستان

ہم ہیں قاسمؒ کی آواز!
ہم ہیں خالدؓ کی للکار!
ہم ہیں طارقؒ کا بازو!
ہم ہیں ٹیپوؒ کی تلوار!

اپنی قوت اپنی جان
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ
ہر پل ہر ساعت ہر آن
جاگ رہا ہے پاکستان............ پاکستان

پرچم نصرت ہم سے کھلا
رسم شجاعت ہم سے چلی
ہم ہیں جوہرِ تیغ حسین رضؓ
ہم ہیں زورِ دستِ علی رضؓ

اپنی قوت اپنی جان
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ
ہر پل ہر ساعت ہر آن
جاگ رہا ہے پاکستان............ پاکستان

جیتے ہیں تو غازی ہیں
دین پہ مر جائیں تو شہید
نعرہ اپنا ہے اسلام
کلمہ اپنا ہے توحید

اپنی قوت اپنی جان
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ
ہر پل ہر ساعت ہر آن
جاگ رہا ہے پاکستان............ پاکستان

محشر بدایونی

مشق

۱۔ مسلمان کی اصل قوت کیا ہے؟

۲۔ مردانِ حق یعنی مسلمان باطل کے خلاف کس طرح بڑھتے ہیں؟

۳۔ اس نظم میں جو اسمِ عَلَم آئے ہیں، ان کی مسلمانوں کی تاریخ میں کیا اہمیّت ہے؟

۴۔ اس نظم کے کس شعر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمان دین کی خاطر مرجائے یا زندہ رہے، دونوں صورتوں میں کامیاب رہتا ہے۔

۵۔ پَل، ساعت، اور آن تینوں مترادف الفاظ ہیں اور تینوں کے معنی بہت مختصر وقفہ ہیں۔ آپ ایسے تین مترادف الفاظ لکھیے، جن کے معنی طویل وقفہ ہوں۔

رسمِ شجاعت ایک مرکب ہے جس کا پہلا حصّہ بعد میں اور بعد کا حصّہ پہلے لکھ دیں تو مطلب آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔ دونوں لفظوں کے درمیان جو زیر ہے اس کی جگہ لفظ "کی" آئے گا۔ یعنی شجاعت کی رسم۔

۶۔ اس ترکیب سے آپ ان مرکبات کو آسان کرکے لکھیے:

پرچمِ نصرت، صِدقِ ابوبکرؓ، عدلِ فاروقؓ، سخاوتِ عثمانؓ، شجاعتِ علیؓ، صبرِ حُسینؓ، سرکارِ مدینہؐ۔



سردار عبدالرّب نشتر

ایک مرتبہ کسی نے قائدِ اعظمؒ سے پوچھا "آپ سردار عبدالرب نشتر کو ہمیشہ اپنے ساتھ کیوں رکھتے ہیں؟" قائدِ اعظمؒ نے جواب دیا "اس لیے کہ جب میں کوئی بات کہتا ہوں تو اِن کی طرف دیکھتا ہوں اور جب یہ اس کی تائید میں اپنا سر ہلا دیتے ہیں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ جو بات میں نے کہی ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔" جس کے متعلق قائدِ اعظمؒ نے یہ کہا کہ "اس کی ذہانت، دیانت اور صداقت میں بھلا کس کو شک ہو سکتا ہے۔"

یہ تھے ہماری قوم کے محبوب رہنما، قائدِ اعظمؒ کے جاں نثار ساتھی اور تحریکِ پاکستان کے بے باک مجاہد سردار عبدالرب نشتر۔ جو اپنی زندگی میں بھی قائدِ اعظمؒ کے انتہائی قریب رہے اور اپنی موت کے بعد بھی اپنے محبوب قائد کے پہلو میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ ساری قوم پہلے بھی ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور اب بھی انھیں اسی عقیدت و احترام سے یاد کرتی ہے۔

سردار عبدالرب نشتر ۱۸۹۱ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالحنان خان ریلوے میں ٹھیکیدار تھے۔ سردار صاحب نے پہلے ایڈورڈ کالج پشاور میں تعلیم حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری لی۔ پھر وہ مزید تعلیم کے لیے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے۔ قائدِ اعظمؒ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو "مسلم انڈیا کا اسلحہ خانہ" کہا کرتے تھے۔ وہاں کی تعلیم و تربیت کچھ ایسی تھی کہ جو وہاں قدم رکھتا وہ ملّی جذبے سے سرشار ہو کر نکلتا تھا۔ پھر سردار صاحب کو وہاں مولانا محمد علی جوہرؔ جیسا مردِ مجاہد مل گیا۔ مولانا کی صحبت نے سردار عبدالرب نشتر کے جوہر کو اور بھی چمکا دیا۔ مولانا محمد علی جوہرؔ ان سے بہت محبت کرتے تھے اور انھیں پیار سے "ساحر" یعنی جادوگر کہا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی شخصیت میں جادو کی سی کشش تھی۔

سردار عبدالرب نشتر بڑے وجیہہ اور خوبصورت تھے۔ سُرخ و سفید رنگت، بلند و بالا قد، چوڑا چکلا سینہ، بھرا ہوا پُر وقار چہرہ اور اس پر تلوار کی طرح مونچھیں۔ جہاں کھڑے ہو جاتے، لوگ دیکھتے رہ جاتے۔

پھر خدا نے آواز بھی غضب کی دی تھی۔ جب وہ تقریر کرتے تو دِل چاہتا کہ وہ بولتے رہیں، ہم سنتے رہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہاکی کے بڑے شوقین تھے۔ ایک دِن وہ ہاکی کھیل کر شام کے دھندلکے میں گھر لوٹ رہے تھے کہ راستے میں ایک مردِ درویش مل گیا۔اس نے ان کو روک کر کہا "تم حسین بھی ہو اور جوان بھی۔ تمھارا لباس بھی خوبصورت ہے۔ایسے آدمی کے کلام میں بھی تاثیر ہونی چاہیے" پھر اُس نے انھیں اپنے پاس بلایا اور اپنا لعابِ دہن ان کے ہونٹوں پر لگا دیا۔ کیا خبر سردار عبدالرّب نِشتر کی زبان میں جو تاثیر تھی وہ اسی مردِ درویش کی دَین ہو۔ عبدالرّب نِشتر بہت پڑھے لکھے انسان تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، سیاست ہو، تاریخ ہو، مذہب ہو، ادب ہو ہر موضوع پر بے تکان بولتے چلے جاتے تھے اور بڑی فصیح اردو میں تقریر کرتے تھے۔ یوں تو وہ سیاسی آدمی تھے مگر شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔خود بھی شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے۔لوگ انھیں اکثر مشاعروں کی صدارت کے لیے پکڑ کرلے جاتے تھے۔وہ اردو کے زبردست حامی تھے۔ مشرقیت اور اسلامی تہذیب کی محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کبھی مغربی لباس نہیں پہنا۔ شیروانی پہنتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ شیروانی اور جناح کیپ اُن پر خوب سجتی تھی۔

سردار عبدالرّب نِشتر ۱۹۲۵ء میں جب علی گڑھ سے ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری لے کر پشاور لوٹے تو وہاں وکالت شروع کردی۔ چند ہی دنوں میں ان کا شمار بڑے، کامیاب وکیلوں میں ہونے لگا۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے پیشے سے بہت دولت کما سکتے تھے۔مگر پیسہ کمانا ان کا مقصدِ حیات نہ تھا۔ وہ اپنی قوم کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے۔چنانچہ وہ اپنے وطن کی آزادی کی جنگ میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۳۰ء کی سِول نافرمانی کی تحریک میں وہ پیش پیش تھے۔ انگریزوں نے ان کو گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا۔ وہاں انھوں نے بڑی صعُوبتیں جھیلیں لیکن ان کے عزم اور استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔

کانگریسی ہندو اندر ہی اندر مسلمانوں کی جڑیں کاٹ رہے تھے اور سازشوں کے جال بچھا رہے تھے یہ صورتِ حال دیکھ کر مسلمان کانگریس سے کنارہ کش ہونے لگے۔سردار عبدالرّب نِشتر بھی کانگریس سے علیحدہ ہوگئے۔ اسی اثناء میں قائدِ اعظم نے لندن سے واپس آکر مسلم لیگ کی تنظیمِ نَو شروع کی۔ سردار صاحب شاید اسی وقت کے انتظار میں تھے۔ وہ فوراً مسلم لیگ میں شامل ہوگئے اور پھر انھوں نے مسلم لیگ کے پرچم تلے وہ خدمات انجام دیں کہ جلد ہی وہ اپنی قوم کی آنکھ کا تارا بن گئے۔ قائدِ اعظمؒ کی دور رس نگاہوں نے بھی ان کی قائدانہ صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور انھیں مسلم لیگ کی مرکزی مجلسِ عاملہ میں شامل کرلیا۔ اب

انھیں قائدِ اعظمؒ کی اور زیادہ قربت حاصل ہوگئی اور انھوں نے اپنے سیاسی تدبّر اور جذبۂ خدمت سے قائدِ اعظمؒ کا دل جیت لیا۔ قائدِ اعظمؒ ان کی شخصیت سے اتنے متاثر تھے کہ انھیں ہر معاملے میں پیش پیش رکھتے تھے۔ جب بھی کوئی کمیٹی بنتی، کوئی کمیشن قائم ہوتا، کوئی وفد جاتا، قائدِ اعظمؒ اس میں سردار عبدالرّب نشترؔ کو ضرور شامل کرتے۔ ۱۹۴۶ء میں قائدِ اعظمؒ شملہ کانفرنس میں جن تین اہم مسلم لیگی رہنماؤں کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے ان میں سردار صاحب بھی شامل تھے۔ پھر اُسی سال جب وائسرائے ہند کے زیرِ نگرانی کانگریس اور مسلم لیگ کے اشتراک سے عبوری حکومت قائم ہوئی اور اس میں مسلم لیگ کی پانچ نشستوں کے لیے لوگ نامزد کیے گئے تو اُن میں بھی سردار عبدالرّب نشترؔ شامل تھے۔ اس کے بعد جب قیامِ پاکستان کی منزل آئی تو ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کی اہم تقریب کے انتظامات کرنے کے لیے قائدِ اعظمؒ نے ان ہی کا انتخاب کیا اور سردار صاحب نے اس حسن و خوبی سے یہ انتظامات کیے کہ قائدِ اعظمؒ بھی دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ سردار صاحب میں یہ خوبی تھی کہ ان کو جو فرائض بھی سونپے جاتے انھیں وہ پوری لگن اور جانفشانی سے انجام دیتے۔ قیامِ پاکستان کے بعد انھیں وزیرِ مواصلات بنایا گیا۔ اس وقت پاکستان کا مواصلاتی نظام بالکل درہم برہم تھا۔ لیکن سردار صاحب نے اَن تھک محنت اور بڑی سُوجھ بُوجھ سے چند دنوں میں ہی اسے ایسا منظّم کیا کہ وہ آج تک بڑی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔

قائدِ اعظمؒ کے انتقال کے بعد قائدِ ملّت لیاقت علی خان کی نظرِ انتخاب سردار صاحب پر ہی پڑی اور انھوں نے سردار صاحب کو خصوصی اختیار دے کر پنجاب کا گورنر بنا دیا۔ سردار صاحب نے اپنے حسنِ تدبّر سے چند دنوں میں ہی مکمل امن و امان قائم کر دیا۔ وہ ہر صورتِ حال میں اس لیے کامیاب ہو جاتے تھے کہ لوگ ان سے بے پناہ محبّت کرتے تھے۔ ان کا کہنا مانتے تھے اور ان کا دل سے احترام کرتے تھے۔ سردار صاحب واقعی دِلوں پر حکومت کرنے کا گُر جانتے تھے۔

ابھی وہ پنجاب کے گورنر تھے کہ قائدِ ملّت لیاقت علی خان شہید کر دیے گئے اور غلام محمد گورنر جنرل بن گئے۔ خواجہ ناظم الدین کو وزیرِ اعظم بنایا گیا انھوں نے سردار صاحب کو بحیثیت وزیر اپنی کابینہ میں شامل کر لیا۔ ۱۹۵۵ء میں جب چودھری محمد علی وزیر اعظم بنے تو انھوں نے مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ پیش کیا۔ یہ ایک قومی کام تھا اور عوام بھی یہی چاہتے تھے۔ اس لیے وہ یہ ذمّہ داری اپنے کاندھوں پر لینے کے لیے تیار ہو گئے۔ اِن دنوں اُن کی صحت خراب تھی لیکن وہ تقریباً ڈھائی سال تک ملک و قوم کی خدمت کرتے رہے بالآخر ۱۴ر فروری ۱۹۵۸ء کو وہ اپنی قوم کو سوگوار چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ قوم نے انھیں قائدِ اعظمؒ کے مزار کے احاطے ہی میں دفن کیا تاکہ تا اَبَد ساتھ رہیں۔

مشق

۱۔ قائدِ اعظمؒ سردار عبدالرب نشتر کو ہمیشہ اپنے ساتھ کیوں رکھتے تھے؟

۲۔ سردار عبدالرب نشتر کہاں پیدا ہوئے تھے؟

۳۔ عبدالرب نشتر نے کہاں کہاں تعلیم حاصل کی تھی؟

۴۔ مردِ درویش اور سردار عبدالرب نشتر کا واقعہ لکھیے؟

۵۔ انگریزوں نے سردار عبدالرب نشتر کو جیل کیوں بھیجا تھا؟

۶۔ سردار عبدالرب نشتر کو کون کون سی کمیٹیوں اور وفود میں شامل کیا گیا اور کون کون سے عہدے ان کے پاس رہے؟

۷۔ سردار عبدالرب نشتر کا انتقال کب ہوا اور ان کا مزار کہاں ہے؟

آپ گزشتہ اسباق میں افعالِ ماضی اور حال کی مشق کر چکے ہیں، تیسرا زمانہ مستقبل ہوتا ہے۔ فعلِ مستقبل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مصدر کا "نا" ہٹا کر:-

وں گا، وں گی، ے گا، ے گی، و گے، و گی، یں گے، یں گی لگا دیتے ہیں مثلاً۔

"بیٹھنا" سے بیٹھوں گا، بیٹھوں گی، بیٹھے گا، بیٹھے گی، بیٹھو گے، بیٹھو گی، بیٹھیں گے، بیٹھیں گی۔

۸۔ "پڑھنا" مصدر سے اسی طرح فعل مستقبل بنائیے۔

ہمدردی

آپا صدیقہ کو نادرہ کی غیر حاضری پر بڑا تعجب ہوا۔ حاضری کا رجسٹر بند کرتے ہوئے انھوں نے پوچھا "آج نادرہ غیر حاضر ہیں چھٹی کی درخواست بھی نہیں بھیجی؟

عطیہ نے کھڑے ہو کر جواب دیا:

"نادرہ کی نانی بہت بیمار ہیں اس لیے وہ آج اسکول نہیں آئیں اور درخواست وہ کس کے ہاتھ بھیجتیں، کوئی لانے والا ہی نہیں ہے۔ ان کا گھر بھی یہاں سے بہت دور ہے ورنہ ممکن تھا وہ خود ہی درخواست دے جاتیں"

آپا صدیقہ: کیا ان کی نانی بہت بیمار ہیں؟

عطیہ: جی ہاں، ان کی نانی گزشتہ کئی روز سے بیمار ہیں۔

آپا صدیقہ: مگر وہ تو برابر اسکول آرہی تھیں؟

عطیہ: وہ ہر تکلیف کو برداشت کرلیتی ہیں، ان کی نانی انھیں ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ "کچھ بھی ہوجائے اپنی تعلیم کا حرج نہ ہونے دو"

آپا صدیقہ: ابھی آپ نے بتایا تھا کہ درخواست لانے والا کوئی نہیں ہے۔ کیا وہ بالکل تنہا رہتی ہیں؟

عطیہ: (غم زدہ لہجے میں) جی ہاں! "نادرہ کا نانی کے علاوہ کوئی نہیں، نانی ہی نے ان کی پرورش کی ہے۔ نانی ہی گھر کا تمام کام کرتی ہیں۔ بیمار ہونے کے باوجود وہ برابر نادرہ کو اسکول بھیجتی رہیں لیکن آج نادرہ کی غیر حاضری یہ بتا رہی ہے کہ شاید ان کی نانی زیادہ بیمار ہیں۔

آپا صدیقہ: آپ سب کو مل کر نادرہ کی مدد کرنی چاہیے میں بھی آج ان کے گھر جاؤں گی۔ "ہم سب چلیں گے"، جماعت کی لڑکیوں نے ہم آواز ہو کر کہا۔

عطیہ اور جماعت کی دوسری لڑکیاں جب نادرہ کے گھر پہنچیں تو انھیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ

نادرہ کی نانی بخار میں پھنک رہی تھیں، نادرہ ان کے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہم جولیوں کو دیکھ کر نادرہ نے جلدی جلدی آنسو پونچھ ڈالے اور ان کے استقبال کے لیے آگے بڑھی۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ سب کی سب کیسے پہنچ گئیں۔

عطیہ: کیسی ہے اب نانی امّاں کی طبیعت؟

نادرہ: (اداس لہجے میں) ٹھیک نہیں ہے، غشی کی سی کیفیت ہے۔

امینہ: تم نے ہم کو غیر سمجھا۔ نانی امّاں اتنی بیمار ہیں اور تم نے ہمیں بتایا تک نہیں؟

نادرہ خاموش رہی مگر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

عِفّت: چھوڑو ان باتوں کو آؤ کچھ کام کریں۔

صاعقہ: کام تو ہوتا رہے گا پہلے نانی امّاں کے لیے ڈاکٹر کا انتظام ہونا چاہیے۔ اتنے میں آپا صدیقہ کمرے میں داخل ہوئیں اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی نادرہ کے پاس پہنچیں۔

آپا صدیقہ: میں ڈاکٹر کو لائی ہوں کیا انھیں اندر بلالوں؟

نادرہ: (لرزتی ہوئی آواز میں) جی ہاں! مگر آپ نے بڑی تکلیف کی! میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپا صدیقہ نے نادرہ کی بات سنی ان سنی کر دی اور ڈاکٹر کو اندر بلا لائیں۔

ڈاکٹر نے نانی امّاں کا اچھی طرح معائنہ کیا۔

ڈاکٹر نے کہا "ٹائی فائیڈ ہے، انھیں دوا، پرہیز اور آرام کی سخت ضرورت ہے ورنہ مرض خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے۔ میں دوائیں لکھ رہا ہوں، منگوالیں اور پابندی سے دیں اور ہاں، ڈاکٹر صاحب نے کمرے میں نظر دوڑاتے ہوئے کہا، دروازے، کھڑکیاں کھول دیں، کمرے میں تازہ ہوا آنے دیں، کمرے کی صفائی بھی کروائیں، دیکھیے چھت پر اور کونوں میں جالے لگے ہوئے ہیں یہ سب اُتروائیں۔"

آپا صدیقہ: جی ہاں ڈاکٹر صاحب یہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

آپا صدیقہ نے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھیں فیس دی اور دروازے تک انھیں رخصت کرنے گئیں۔

آپا صدیقہ: اب آپ کب مریضہ کو دیکھنے آئیں گے؟

ڈاکٹر صاحب: پرسوں، ہاں! ٹمپریچر کا ریکارڈ ضرور رکھیں اور مریضہ کو پھلوں کا رس دیں۔

آپا صدیقہ: بہت اچھا۔ ڈاکٹر کو رخصت کرکے آپا صدیقہ لڑکیوں سے مخاطب ہو کر بولیں۔ بچیو! میں ابھی دوائیں اور پھل وغیرہ لے کر آتی ہوں، آپ اس وقت تک نادرہ کا کچھ کام کر دیں، بہتر یہ ہے کہ

آپ لوگ آپس میں کام بانٹ لیں۔

عطیہ: جی اچھا آپا!

آپا صدیقہ کے جانے کے بعد تمام لڑکیاں چار چار کی ٹولیوں میں بٹ گئیں اور گھر کے مختلف کام کرنے لگیں۔

ایک ٹولی نے باورچی خانے کا کام سنبھالا، دوسری نے صفائی کی ذمہ داری لی، تیسری نے تمام میلے کپڑے، چادریں، غلاف، پردے، تولیے دھونے کے لیے ایک جگہ جمع کر لیے۔ چوتھی ٹولی کی لڑکیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ نانی اماں کی تیمار داری کے فرائض انجام دیں گی۔ کیوں کہ رات دن پابندی سے دوا دینا، کھلانا پلانا، اٹھانا بٹھانا، دل جوئی کرنا ایک شخص کے بس کی بات نہ تھی۔ پانچویں ٹولی نے بازار سے سودا سلف منگوانے، راشن کا انتظام کرنے اور سبزی وغیرہ مہیا کرنے کی ذمہ داری لے لی اور یوں چشم زدن میں سارے کام سُلجھ گئے۔ جیسے کبھی اُلجھے ہی نہ تھے۔ نادرہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہورہا ہے۔ یہ غیبی مدد کیسے پہنچ گئی! عطیہ، اس کی حیرانی پر مسکرائی اور اسے نانی اماں کے پاس بٹھا دیا۔

عطیہ: بس تم اپنی نانی اماں کے پاس بیٹھو، آپا صدیقہ دوائیں لے کر آنے ہی والی ہوں گی، نانی اماں جلدی ٹھیک ہو جائیں گی تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ باورچی خانے سے آمنہ نے عطیہ کو بلایا تو وہ اُدھر چلی گئی۔

امینہ: (سرگوشی میں) باورچی خانے میں پکانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ ہی آٹا چاول، نہ ہی مرچ مصالحہ اور نہ ہی تیل گھی۔ کیا پکائیں؟

عطیہ: (چپکے چپکے) ابھی سب آجائے گا، معلوم ہوتا ہے نانی اماں کی بیماری کی وجہ سے سودا سلف آیا ہی نہیں۔ بھلا لاتا بھی کون افسوس ہم بھی کتنے غافل اور لاپروا ہیں نہ جانے نادرہ کتنے وقت سے بھوکی ہے۔

امینہ: عطیہ! سودا لانے کی جو ذمہ دار ٹولی ہے۔ اس ٹولی سے کہہ دو۔

عطیہ: ابھی کہے دیتی ہوں۔ عطیہ نے تھوڑی سی دیر میں تمام بندوبست کر دیا، گھر کا تمام کام، صفائی ستھرائی نہایت آہستگی سے ہو رہی تھی۔ تاکہ مریضہ کو شور و غل اور آہٹ سے تکلیف نہ پہنچے۔

ذرا سی دیر میں آپا صدیقہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی، دواؤں اور پھلوں سے بھری ہوئی ٹوکری ہاتھ میں لیے گھر میں داخل ہوئیں۔ انھوں نے آتے ہی گھر پر نظر ڈالی تو بغیر مسکرائے نہ رہ سکیں۔ بچیوں نے پلک جھپکتے میں صفائی کا کام مکمل کر لیا تھا۔ کمرے کا نقشہ ہی بدل گیا تھا، وہ بہت خوش ہوئیں اور جلدی جلدی

تھرمامیٹر دھوکر نانی امّاں کے منہ میں لگا دیا۔

ان بچیوں نے جن کی ذمّے داری نانی امّاں کی تیمارداری تھی، دواؤں کی بوتلیں میز پر لگا دیں۔ پھل نکال کر دھوئے اور نانی امّاں کے لیے رس نکالنے لگیں۔

ٹمپریچر لینے کے بعد آپا صدیقہ نے نانی امّاں کو دوا پلائی۔ قدسیہ نے آتے ہی برف منگوالی تھی وہ برابر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں نانی امّاں کے سر پر رکھ رہی تھیں۔ نانی امّاں کی غنودگی میں فرق آتا دیکھ کر نادرہ کی جان میں جان آئی۔ نانی امّاں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں مگر کمزوری کی وجہ سے پھر بند کرلیں۔

آپا صدیقہ نے قدسیہ کو ٹھنڈے پانی کی پیٹّاں رکھنے سے منع کردیا۔ صاعقہ پھلوں کا رس نکال کر لائی تو آپا صدیقہ چمچے سے تھوڑا تھوڑا سا رس نانی امّاں کے منہ میں ڈالنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد نانی امّاں نے آنکھیں کھول لیں اور دھیرے دھیرے نادرہ کو آواز دینے لگیں۔ نادرہ جلدی سے نانی امّاں کے قریب آبیٹھی۔

نادرہ : جی نانی امّاں!

نانی امّاں: میں ٹھیک ہوں؟

نادرہ : جی ہاں، جی ہاں، آپ بالکل ٹھیک ہیں، آپا صدیقہ نے نادرہ کو اشارہ کردیا کہ وہ انھیں زیادہ کچھ نہ بتائے۔

نانی امّاں: تم۔ نے۔ کچھ۔ کھایا؟ نانی اماں نے بڑی مشکل سے یہ جملہ پورا کیا۔

نادرہ : جی ہاں، میں نے کھالیا۔ آپ آرام کیجیے۔

رُقیہؔ کی ٹولی نانی امّاں کی خدمت پر مامور تھی۔ انھوں نے جلدی جلدی دوا پلانے کا وقت اور طریقہ آپا صدیقہ سے پوچھ لیا، دوا کا وقت ہوگیا تھا اس لیے رُقیہؔ نے نانی امّاں کو دوا پلادی۔ نانی امّاں کو ذرا فرحت محسوس ہوئی تو وہ سوگئیں۔

اس دوران میں کھانا پک چکا تھا۔ عطیہ نے مجبور کرکے نادرہ کا ہاتھ منہ دھلوایا اور کپڑے بدلوائے۔ پھر اس نے نادرہ کے سامنے کھانا رکھا۔ نادرہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مگر وہ بھوکی تھی اس نے کھانا کھالیا۔

آپا صدیقہ نے نادرہ کو لِٹا دیا تاکہ وہ کچھ دیر آرام کرلے وہ اتنی تھک چکی تھی کہ لیٹتے ہی سو گئی۔

نانی امّاں اور نادرہ کو آرام پہنچا کر آپا صدیقہ اور تمام بچیاں اتنی خوش تھیں کہ جیسے انھیں قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔

آپا صدیقہ : رات ہونے والی ہے سوچنا یہ ہے کہ رات کو یہاں کون کون رہے گا؟

صاعقہ: آپا میرا خیال ہے کہ ہر ٹولی کی ایک ایک لڑکی یہاں رُک جائے۔

آپا صدیقہ: آپ کا خیال ٹھیک ہے مگر آپ کے گھروں سے اجازت ملنے کا سوال ہے۔

عطیہ : میں نے اس کا بندوبست کرلیا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہاں رُکنے کی اجازت ہے۔

آپا صدیقہ: (خوش ہو کر بولیں) بہت خوب، میں اس وقت تک یہاں رہوں گی جب تک نادرہ کی نانی اماں بالکل ٹھیک نہیں ہوجاتیں۔

صاعقہ: آپا آپ کی برابری کون کرسکتا ہے، یہ سب کچھ ہم نے آپ ہی کی بدولت تو سیکھا ہے۔ آپا صدیقہ مُسکرا کر خاموش ہوگئیں۔ وہ اپنی تمام شاگردوں سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان سب کی بہترین تربیت کرسکیں اور انھیں انسانوں سے پیار کرنے کا گُر سکھا سکیں۔ یہی نہیں بلکہ آپا صدیقہ کا اثر اپنی بچیوں کے والدین پر بھی تھا۔ ان کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ وہ آپا صدیقہ کے ساتھ اپنی بچیوں کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے اور اب تو بچیوں میں بھی اتنی خود اعتمادی اور بُردباری پیدا ہوگئی تھی کہ ہر بچی اپنی جگہ پر آپا صدیقہ تھی۔ ایک ہفتہ کس طرح گزر گیا کچھ پتا ہی نہ چلا۔ بچیاں اسکول میں بھی برابر حاضر ہوتی رہیں۔ اپنے گھروں کو بھی جاتی رہیں اور نانی اماں کا گھر بھی سنبھالتی رہیں، ہاں یہ ضرور تھا کہ آپا صدیقہ شب و روز ان کے ساتھ رہیں اور قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتی رہیں۔

ڈاکٹر صاحب برابر نانی اماں کو دیکھنے آیا کرتے تھے، وہ آپا صدیقہ کے جذبۂ خلوص اور بچیوں کی بے غرض خدمت سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپا صدیقہ کے اصرار کے باوجود انھوں نے فیس لینے سے صاف انکار کردیا۔ انھیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی تھی کہ تمام بچیوں نے مل کر گھر کو شیشے کی طرح چمکا دیا تھا اور نانی اماں کو باقاعدگی سے دوا اور غذا مل رہی تھی۔

نانی اماں کی صحت دن بہ دن سنبھلتی جا رہی تھی، ایک دن وہ اتنی خوش اور ہشاش بشاش تھیں کہ بغیر سہارے کے اپنے پلنگ سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔ اس پر تمام بچیوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں اور نادرہ مارے خوشی کے آپا صدیقہ سے لپٹ کر رونے لگی۔ آپا بولیں: پگلی اس میں رونے کی کیا بات ہے؟

اگلے ہفتہ نانی اماں کا جشنِ صحت منایا گیا۔ تمام بچیوں کے والدین بھی اس میں شریک ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب بھی مدعو تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مجھے ان بچیوں کے ساتھ اجنبیت بالکل محسوس نہیں ہوئی یوں لگتا ہے جیسے ہم سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ انھوں نے کہا، میں ان بچیوں کے والدین کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انھوں نے اپنی بچیوں کو اس کارِ خیر سے نہیں روکا بلکہ ان کی ہمت افزائی کی۔ کاش یہ جذبہ عام ہوجائے اور یہ خلوص ہر دل میں جگہ پالے۔ اس پر سب نے آمین کہا۔ گلاب کے پھولوں کے ہار پہنے ہوئے آج نانی اماں بہت خوش نظر آرہی تھیں۔

مشق

۱۔ نادرہ اسکول سے کیوں غیر حاضر تھی؟
۲۔ آپا صدیقہ کو عطیہ نے کیا جواب دیا؟
۳۔ آپا صدیقہ نے لڑکیوں کو کیا مشورہ دیا؟
۴۔ لڑکیوں نے نادرہ کی کس طرح مدد کی؟
۵۔ ڈاکٹر صاحب کس بات سے خوش تھے؟
جشنِ صحت کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے کیا بات کہی؟
۶۔ تشریح کیجیے:
۷۔ ہر بچّی اپنی جگہ پر ایک آپا صدیقہ تھی۔
۸۔ اس سبق میں سے پانچ فعل متعدی چن کر لکھیے۔

یومِ استقلال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳۷/ب-۲
لطیف آباد نمبر ۸
حیدرآباد سندھ

میرے پیارے دوست اظہار الحق، السّلامُ علیکم

تم نے اپنے پچھلے خط میں ۲۳ر مارچ کے حوالے سے اپنے اسکول میں ہونے والے جلسے کی مکمل کاروائی لکھی تھی۔ صبح سے شام تک تمھارے اسکول میں جو جو باتیں ہوئیں اور جس طرح تم نے ان میں شرکت کی اس کی تفصیل تھی، جی بہت خوش ہوا۔ تم نے بھی اس قومی تیوہار کے حوالے سے تقریر کی تھی۔ تمھیں انعام بھی ملا۔ تم نے اپنی تقریر کے کچھ حصّے بھی خط میں نقل کیے تھے۔ میں انھیں پڑھ کر بہت متأثر ہوا۔ وہ خط ابّو نے بھی پڑھا اور بڑی داد دی۔ تم نے جس طرح پاکستان کی تاریخ کا نقشہ کھینچا ہے۔ اسے پڑھ کر یوں لگا جیسے ہم سب ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کے جلسے میں موجود ہیں اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔

آج میں یومِ استقلال کے حوالے سے کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ پرسوں چودہ اگست تھی۔ ہم لوگ ایک ہفتے پہلے ہی سے اس کے لیے تیاریاں کر رہے تھے۔ ہمارے استاد حامد علی صاحب ہمارے نگراں تھے۔ ہم نے جھنڈا تیار کیا۔ کھیل کے میدان میں جہاں ہم سب روزانہ دعا کے لیے جمع ہوتے ہیں وہاں ایک لمبے بانس کا انتظام کیا۔ ہمارے پی ٹی کے استاد نے تقریباً سو لڑکوں کو مختلف قسم کی پی ٹی کے لیے تیار کیا۔ انھیں مختلف قسم کے مظاہرے سکھائے۔ ہمارے اردو کے اُستاد نے سات آٹھ لڑکوں کو تحریکِ پاکستان پر تقریریں تیار کرائیں اور انھیں بار بار سنا۔ جہاں جہاں تقریر میں زور پیدا کرنے کی ضرورت تھی وہاں انھیں ہدایتیں دیں اور یوں تقریر کرنے والے لڑکوں میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا۔ میں بھی ان میں شریک تھا میرا موضوع استقلال پاکستان تھا۔ یعنی ہم نے آزادی تو حاصل کرلی اب اس آزادی کو کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے۔

۱۴ر اگست کی صبح کو ہم سب لڑکے اور اُستاد صاحبان اسکول پہنچ گئے۔ سب کے لباس

صاف ستھرے تھے۔ عجیب سماں تھا۔ سارا اسکول جھنڈیوں سے سجا ہوا تھا۔ چونا ڈال کر راستے بنائے گئے تھے۔ اسکول میں بینڈ بھی ہے، جسے دعا کے وقت قومی دھنیں بجانے کے لیے لڑکے ہی استعمال کرتے ہیں یا پھر جب کبھی کوئی قومی تقریب ہوتی ہے تو قومی نغمے بینڈ کی مترنم دھنوں پر سنائے جاتے ہیں۔ کھیل کے میدان میں قومی پرچم لہرایا گیا۔ پرچم لہرانے کی رسم ہمارے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے ادا کی۔ قومی ترانہ بینڈ کی دھن پر پیش کیا گیا۔ پی ٹی کے اُستاد نے جن لڑکوں کو پی ٹی کی تربیت دی تھی اس کا مظاہرہ کرایا گیا۔ مظاہرہ اتنا دلچسپ تھا کہ ہم سب بہت خوش ہوئے اور دل بھر کر داد دی۔ اس کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب نے سب کو بڑے ہال میں جمع ہونے کی دعوت دی جہاں تقریری مقابلہ ہونا تھا۔ ہم سب لوگ ہال میں داخل ہوئے۔ ہال کو بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ کرسیوں اور صوفوں کو بڑے سلیقے سے سجا کر رکھا گیا تھا۔ اگلی نشستوں پر شہر کے مُعزّزین اور اسکول کے اساتذہ تھے اس کے بعد طالبِ علم تھے۔ اسٹیج پر ایک میز تھی اس پر ایک شیلڈ رکھی تھی جو اوّل آنے والے مُقرّر کو دی جانی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے اور تیسرے نمبر پر آنے والے مُقرّرین کے لیے بھی انعامات تھے۔

جلسے کی صدارت تحریکِ پاکستان کے ایک نامور کارکن کر رہے تھے۔ انھوں نے قائداعظمؒ کی رہنمائی میں پاکستان بنانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان کی عمر خاصی تھی لیکن ان کا جذبہ اور جوش دیکھنے کے قابل تھا۔ اُن کی باتوں میں ولولہ تھا، آگے بڑھنے اور مشکل سے مشکل کام کرنے کا جذبہ تھا۔ تقریروں کا آغاز ہوا۔ ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب نے جلسے کے باقاعدہ آغاز کی اجازت دی۔ آغاز تلاوتِ قرآنِ پاک سے ہوا۔ ہمارے اسکول کے دسویں جماعت کے ایک ساتھی قاری عبدالرحمٰن صاحب نے تلاوت کی۔ تلاوت کے بعد انھوں نے ان آیات کا ترجمہ بھی سنایا۔ اس کے بعد نعیم نے حالی کی نعت پڑھی۔ اس کے بعد صابر حسین مائک کے سامنے آئے۔ یہ بھی دسویں جماعت کے طالبِ علم ہیں۔ اُنھوں نے بسم اللہ پڑھ کر اپنی تقریر شروع کی۔ ان کی تقریر کا موضوع تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں پاکستان کے بانی حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے عزم اور حوصلہ کے بارے میں تھا۔ قائد کے تدبُّر، بُردباری، عملی سیاست، قانون دانی، عوام سے رابطہ اور نظم و ضبط کے بارے میں نہایت تفصیل کے ساتھ بتایا۔ جب وہ نہایت جذبے اور جوش کے ساتھ قائد کے کارنامے بتاتے تھے تو لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔

دوسرے مُقرّر آئے، انھوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک کے واقعات پر بڑے مؤثر انداز میں یہ بتایا کہ اتنی بڑی مملکت کے لیے یہ سات آٹھ سال

کس قدر جدوجہد کے تھے۔ انھوں نے اس بات پر بھی روشنی ڈالی کہ پاکستان کے قیام کے لیے عورتوں، مردوں اور بچوں میں کس قدر جوش اور ولولہ تھا۔ چندے کی بات آئی تو لوگوں نے پیسوں کے ڈھیر لگا دیے۔ عجیب ولولہ تھا، عجیب جوش تھا۔ سارے کے سارے ایک جذبے میں سرشار تھے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی سمجھ میں پاکستان کا مطلب آگیا۔ انھیں فلاح کی راہ مل گئی۔ غرض میں کہاں تک لکھوں، یہ تو ایک بڑی داستان ہے کبھی زبانی ہی کچھ بتا سکوں گا۔ جتنے بھی مقرر آئے انھوں نے پُرجوش انداز میں اپنی تقریر کا حق ادا کر دیا۔ لوگ عش عش کر اُٹھے۔

میری تقریر کئی مقررین کے بعد ہوئی میری تقریر کا عنوان استقلالِ پاکستان تھا۔ تمھاری دلچسپی کے لیے اس کے کچھ حصے نقل کرتا ہوں۔ پوری تقریر ہمارے اسکول کے میگزین میں چھپے گی۔ تمھیں بھجواؤں گا یقیناً تمھیں پسند آئے گی۔

"اللہ نے ہمیں بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا ہے۔ آزادی اُن میں سے ایک ہے۔ آزادی حاصل کرنا یقیناً ایک بڑا کام ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا کام اسے برقرار رکھنا ہے۔ جو لوگ آزادی کی قدر و قیمت کا احساس نہیں رکھتے قربانی اور ایثار کے جذبے سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام سے رُوگردانی کرنے لگتے ہیں تو اللہ پاک دوسرے لوگوں کو اُن پر مسلط کر دیتا ہے۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ غلامی ایک لعنت ہے، ذلت ہے، انسان کا احساس مُردہ ہو جاتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے بسنے والے جب تک حریت کا مطلب سمجھتے رہے، آزادی کے لیے جانوں کے نذرانے پیش کرتے رہے، آزادی ہمارے قدم چومتی رہی۔ جب لوگوں نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس چھوڑ دیا اور خود غرضی پر اُتر آئے تو ایثار و قربانی کا جذبہ خیالِ خام ہو گیا اور ہم پر غیر ملکی قوموں کا غلبہ ہو گیا۔ اپنی غلطیوں، کوتاہیوں، نا عاقبت اندیشیوں، تن آسانیوں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی حکم عدولی کی وجہ سے ہمارے گلوں میں غلامی کے طوق پہنا دیے گئے۔ ہمارے ساتھ بدتر سلوک روا رکھا گیا۔ ہماری آزادیاں سلب کرلی گئیں۔ ہمارے لیے تمام ترقیاں روک دی گئیں، تمام اعلیٰ مراتب روک دیے گئے۔ ہماری حیثیت غلاموں کی ہوگئی۔

آزادی اس بات کا نام نہیں ہے کہ دل میں جو کچھ جس طرح آئے نتائج سے بے پروا ہو کر وہ کام کرلیا جائے۔ یہ تو ایک طرح کی بے راہ روی ہوگی۔ اس طرح تو ملک کی سلامتی پر بھی حرف آسکتا ہے۔ ایک سچے مسلمان اور آزاد شہری کی حیثیت سے یہ بات ہمیں ہر وقت اپنے ذہن میں رکھنی

چاہیے۔ آزادی بھی ایک قسم کی پابندی کا نام ہے۔ اس پابندی میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا شامل ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ اصل حاکمیت اللہ کی ہے۔ وہ ہم سب کا خالق ہے۔ اس کے بنائے ہوئے اصول ہماری زندگی کے ہر شعبے میں رہبری اور رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر ہم اللہ کے ان قوانین کو اپنی زندگی کا حاصل بنالیں یعنی ان پر سختی کے ساتھ عمل کریں اور اُن کے پابند ہو جائیں تو ہمیں دنیا کے دوسرے لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کی کبھی کوئی ضرورت ہی نہیں رہے گی . . . .

اس تقریر کا آخری حصّہ یہ ہے۔

"ہم نے اپنے اس ملک کو اسلام کے نام پر حاصل کیا ہے اور نفاذِ اسلام کے لیے ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہوگا۔ علم کی کمی کی وجہ سے بھی ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس لیے ہمیں شوق، جذبے اور مسلسل جدّوجہد کے ساتھ اسلامی اصولوں کے تحت علم کو عام کرنا ہے، جہالت اور ناداری سے نجات حاصل کرنا ہے۔ ہمیں ملک میں صحیح اسلامی اصولوں پر کام کرنے اور خلوص و ہمدردی کے ساتھ حضور اکرمؐ کے احکام کو عام کرنا ہے۔ ہمیں اپنے ملک سے برائیوں کا خاتمہ کرنا ہے۔ چوری، ڈاکہ، رشوت، خیانت، دھوکا، فریب، لوٹ مار اور اس قسم کی دوسری بے شمار خرابیوں کو ملک سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم خود بھی برائیوں سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہوگئے تو دنیا دیکھ لے گی کہ اسلام کے اصولوں میں نجات کا راستہ ہے۔ کیا مجال ہے کہ پھر دشمن ہماری طرف آنکھ اُٹھاکر بھی دیکھے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ہمیں فتح و کامرانی عطا فرمائے اور اِستقلالِ پاکستان کے لیے جذبہ، جوش اور مسلسل جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے۔"

تقاریر کے اس مقابلے میں مجھے دوسرا انعام ملا۔ لوگوں میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ انعامات کی تقسیم کا منظر بھی دیکھنے کے قابل تھا۔ صدرِ جلسہ کی تقریر تو بہت ہی زیادہ ولولہ انگیز تھی۔ انھوں نے وہ واقعات دہرائے جو تحریکِ آزادی کے سلسلے میں پیش آئے اور جس جذبے اور ولولے کے ساتھ انھوں نے ان پر قابو پایا اس کی تفصیل بتائی۔ اس کے بعد انھوں نے طالب علموں کو قائدِاعظمؒ کے کئی پیغام سنائے۔ تعلیم کی طرف پوری طرح توجہ دینے کی تلقین کی۔

کھیلوں کے مقابلے بھی ہوئے۔ طالب علموں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ انعامات حاصل کیے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے انعامات تقسیم کرتے ہوئے کھیلوں کی اہمیت اور جسمانی ورزش

کی طرف توجہ دلائی۔

شام کو جب ہم لوٹے تو بہت خوش تھے۔میں نے یہ ساری باتیں اپنی امّی کو بتائیں۔انھوں نے کہا ہم نے بھی یہاں ٹی وی پر ۱۴راگست کی تقریباً تمام تقریبات دیکھیں۔قومی نغمے سنے،ولولہ انگیز تقریریں سنیں۔ دراصل ۲۳رمارچ اور ۱۴راگست ہمارے قومی تیوہار ہیں۔ان تیوہاروں کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ ماضی میں ہمارے بزرگوں نے اس ملک کو قائم کرنے میں جو جدوجہد کی اور جانوں کی قربانیاں دیں انھیں ہم یاد رکھیں اور اپنے ملک کی آزادی اور سالمیت کے لیے ہر ممکن جدوجہد کریں۔ ہر وہ شخص جو کچھ کام کر رہا ہے وہ اس کو پوری لگن اور اور جذبے کے ساتھ پورا کرے۔ اپنے ملک کی دولت کو بڑھائے، غربت کو ختم کرے، بے روزگاری سے نجات حاصل کرے اور جب ضرورت پڑے تو اپنے ملک کی حفاظت کے لیے اپنی جان بھی قربان کردے۔

اس دن رات کو بھی ٹی وی پر ۱۴راگست کے حوالے سے بڑے اچھے پروگرام آئے وہ تم نے بھی دیکھے ہوں گے۔

اگر ہو سکے تو تم بھی اپنے ہاں کی ۱۴راگست کی تقریبات کے بارے میں لکھنا۔ ہم تمھارے خط کے منتظر رہیں گے۔ فقط والسّلام

تمھارا دوست

محسن

مشق

۱۔ ہم یومِ استقلال کس تاریخ کو مناتے ہیں؟
۲۔ محسن کے اسکول میں یومِ استقلال کس طرح منایا گیا؟
۳۔ صابر حسین نے اپنی تقریر میں قائد اعظم کی زندگی کے کس کس پہلو پر روشنی ڈالی؟
۴۔ دوسرے مقرر نے اپنی تقریر میں کیا کہا؟
۵۔ محسن کی تقریر کو مختصر کر کے لکھیے۔
۶۔ محسن کی امّی نے شام کو محسن کو کیا بتایا؟
۷۔ آپ کے اسکول میں یومِ استقلال کس طرح منایا جاتا ہے بیان کیجیے۔

میں، ہم، تو، تم، آپ اور وہ کے الفاظ ضمیر شخصی کہلاتے ہیں۔ کیوں کہ یہ کسی اسم کے بدلے استعمال ہوتے ہیں۔

۸۔ حصّہ "الف" کے ضمیر شخصی کو حصّہ "ب" کے فقرے سے ملائیے:

حصّہ "الف"	حصّہ "ب"
میں۔ ہم	کب آؤ گے
تو۔ تم۔ آپ	کل صبح آئے گا
وہ	کراچی جا رہے ہیں
	خط لکھ رہا ہوں
	کھیل مت کھیل
	ضرور خط لکھیے
	بازار گئے تھے لیکن ابھی تک نہیں آئے۔

سلام

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دُعائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا!
سلام اُس پر جو سچائی کی خاطر دُکھ اٹھاتا تھا
سلام اُس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اُس پر جو اُمت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اُس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں
سلام اُس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا
مسلماں کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیوا
سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

مولانا ماہر القادری

مشق

۱۔ نبیٔ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بادشاہی میں فقیری کرنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
۲۔ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سچائی کی خاطر جو دکھ اٹھائے ہیں ان میں سے کسی ایک کی تفصیل لکھیے۔
۳۔ اس نظم میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اسے نثر میں لکھیے۔

کیپٹن سرور شہید نشانِ حیدر



گوجر خان کے ایک چھوٹے سے گاؤں سنگھوڑی بستی کے قریب واقع ایک قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ یوں تو لوگ ہر روز بستی میں آتے جاتے اس قبر پر فاتحہ پڑھتے ہیں لیکن آج یہاں غیر معمولی ہجوم ہے۔ آج ۲۷ جولائی ہے۔ ہاں وہ ۱۹۴۸ء کی ۲۷ جولائی کا دن تھا جب اس مزار میں آرام کرنے والے نے دشمنانِ وطن سے اپنا ایک مورچہ واپس لینے کے لیے سرفروشانہ جان دی تھی اور اس کارنامے کے صلے میں نشانِ حیدر کا اعزاز پایا تھا۔

جولائی کا مہینہ تھا جب کیپٹن سرور کی کمپنی کو آزاد کشمیر کی وہ پہاڑی واپس لینے کے احکام ملے جس پر چند روز قبل ہندوستانی فوج نے قبضہ کر لیا تھا۔ عام حالات میں ایک پہاڑی واپس لے لینا پاک فوج کے مجاہدین کے لیے کوئی پریشان کن مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن اس پہاڑی پر قبضہ کرنا بظاہر ناممکن تھا۔ دشمن نے تھوڑی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پہاڑی پر اس انداز سے مورچہ بنایا تھا کہ وہ تو پاک فوج کی نقل و حرکت دیکھ سکتا اور اس پر حملہ کر سکتا تھا لیکن پاک فوج اس مورچے کو براہِ راست نشانہ نہیں بنا سکتی تھی۔ مورچے کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے عرصے تک دشمن کے قبضے میں رہنے دینا پاک فوج کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ اس اہم کام کے لیے حکام نے کیپٹن سرور کی کمپنی کو منتخب کیا۔

کیپٹن سرور کو اس مہم کی اہمیت اور خطرات دونوں چیزوں کا پورا پورا احساس تھا۔ ساتھ ہی انہیں خوشی تھی کہ یہ مہم سر کرنے کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی ہے۔ وہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۳ء تک ایک سپاہی

اور اس کے بعد ایک افسر کی حیثیت سے فوج میں وقت گزار چکے تھے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے فوجی ملازمت محض ایک ملازمت تھی لیکن قیامِ پاکستان کے بعد یہ ملازمت ایک مقدس فریضے میں تبدیل ہوگئی تھی، پاک وطن کی مقدس زمین کی حفاظت کا فریضہ۔

کشمیر کو مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ ہونے کی وجہ سے اصولاً پاکستان میں شامل ہونا چاہیے تھا لیکن وہاں کے راجا اور بھارتی حکمرانوں کی سازش سے مسلمان اکثریت کے اس جنت نظیر خطے پر بھارت کا تسلّط ہوگیا تھا اور مسلمانوں کو ہر طرح کے مظالم کا شکار بنایا جا رہا تھا۔ ایسے میں چند جیالے کشمیریوں نے پاک فوج کی مدد سے اپنا کچھ علاقہ دشمن کے چنگل سے نکلوایا اور باقی مقبوضہ علاقے کی واپسی کی کوششیں جاری تھیں۔

جہادِ کشمیر میں دیگر محاذوں کے مقابلے میں یہ محاذ اپنی جائے وقوع کے لحاظ سے بڑا اہم تھا اور پاک فوج کو اپنی پیش قدمی جاری رکھنے کے لیے پہاڑی والا مورچہ ہر قیمت پر دشمن سے واپس لینا تھا۔ پیش قدمی کے احکام حاصل کرنے کے بعد کیپٹن سرور نے اپنی کمپنی کے چند جاں باز مجاہدوں کا انتخاب کیا۔ انھیں مورچے کی اہمیّت کا احساس دلایا ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اس مہم میں وہی لوگ شریک ہوں جو اپنی جان کی بازی لگانے پر آمادہ ہوں۔ ماتحت فوجیوں میں سے ہر ایک نے قوم و وطن کی خاطر جان دینے کا عزم کیا۔ کیوں کہ سامنے کی پہاڑی کے اور پاک فوج کی اگلی لائن کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اس لیے دن کے بجائے رات کی تاریکی میں پیش قدمی کا فیصلہ ہوا۔

خدا خدا کرکے رات آئی۔ بھارتی مورچہ جو دن بھر آگ اُگلتا رہا تھا، گویا سستانے کے لیے خاموش ہوا۔ مجاہدوں کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ وہ مشین گنوں اور دستی بموں سے لیس پیٹ کے بل رینگتے ہوئے پہاڑی کی جانب بڑھے۔ ابھی یہ پہاڑی کے دامن میں تھوڑا ہی دور بڑھے ہوں گے کہ دشمن نے میدان کا جائزہ لینے کے لیے روشنی کا گولہ پھینکا۔ مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے کیپٹن سرور نے سب کو بے حس و حرکت لیٹ جانے کا حکم دیا۔ لیکن گولے نے میدان میں روزِ روشن جیسا اُجالا کر دیا تھا اور دشمن کو مجاہدین صاف نظر آ رہے تھے دوسرے ہی لمحے دشمن کے مورچے نے بے تحاشہ آگ اگلنی شروع کر دی۔

مجاہدین کی نظریں اپنے سربراہ کے اشارے پر لگی ہوئی تھیں، جیسے ہی کیپٹن سرور نے لیٹے لیٹے اپنا داہنا ہاتھ بلند کرکے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا ساکت جسم حرکت میں آ گئے۔ روشنی کے گولے، توپوں کے گولے اور مشین گنوں کی گولیاں مجاہدین کے لیے سخت آزمائش کا وقت تھا۔ ان سب کی نظریں پہاڑی پر لگی ہوئی تھیں اور ہر ایک انتہائی تیز رفتاری سے اُسی طرف بڑھ رہا تھا۔ جوں جوں سرور شہید اور ان کے ساتھی پہاڑی کے قریب ہوتے جاتے گولیوں اور گولوں کی بوچھاڑ بھی شدید تر ہوتی جاتی۔ گو ان کے عقب سے پاکستانی توپ خانہ بھی دشمن کے مورچے

پر گولہ باری کررہا تھا لیکن ان گولوں سے دشمن کوزیادہ خطرہ نہ تھا۔ مجاہدین کے پاس مشین گنیں تھیں لیکن مورچہ نظروں کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت وہ بالکل بے کار تھیں بلکہ ان کے وزن کی وجہ ان کی تیز رفتاری میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔

جوں جوں پہاڑی قریب آتی گئی کیپٹن سرور کے دست و بازو تیز سے تیز تر حرکت کرتے گئے یہاں تک کہ وہ اب چڑھائی پر پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر وہ چند لمحوں کے لیے رُکے پلٹ کر اپنے جاں باز ساتھیوں کی جانب دیکھا نیچے میدان میں بموں نے گرد و غبار کا طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ وادی گولیوں کی سنسناہٹ اور گولوں کے دھماکوں سے گونج رہی تھی، دشمن نے روشنی کا گولہ پھینکا۔ کیپٹن سرور نے دیکھا پیچھے آنے والوں میں سے چند سائے ساکت ہو چلے تھے۔ اکثر زخمی حالت میں بھی آگے بڑھ رہے تھے اور چند اس کے قریب چڑھائی تک پہنچ چلے تھے۔

کیپٹن سرور کے ساتھیوں نے اپنے بہادر سربراہ کو رُکتے دیکھا تو سمجھے کہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی رفتار تیز تر کردی لیکن چڑھائی پر رینگتے ہوئے آگے بڑھنا زیادہ مشکل تھا پھر بھی وہ آگے بڑھے۔ بہادر کیپٹن نے اپنے مخصوص انداز سے انھیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ان کا سیدھا ہاتھ ہوا میں بلند ہوا اس سے پہلے کہ وہ اپنے فطری انداز سے نصف دائرہ بناتے ہوئے واپس آئے، اچانک ایک جھٹکے کے ساتھ گرا۔ دشمن کی گولی اپنا کام کر گئی تھی، لیکن گولی نے مجاہد کا صرف ہاتھ توڑا تھا حوصلہ نہیں۔ ان کے آس پاس گولوں کی بوچھاڑ ہوتی رہی۔ گولیوں سے ٹوٹنے والے پتھر ان کی فولادی ٹوپی سے ٹکراتے رہے اور وہ دشمن کے مورچے سے قریب تر ہوتے گئے اور اب دشمن کا مورچہ اُن کی نظروں کے سامنے تھا، پیچھے آنے والے ساتھیوں نے دیکھا کہ کیپٹن کا ہاتھ ایک بار پھر فضا میں بلند ہوا اور دوسرے لمحے دشمن کا مورچہ دستی بم پھٹنے سے تباہ ہوگیا۔ چند سیکنڈ کے لیے گولیوں کی بوچھاڑ رُکی، دشمن نے مورچہ چھوڑ کر دوسری پناہ گاہیں ڈھونڈیں اور پھر فائر کرنے شروع کر دیے۔ کیپٹن سرور کے لیے یہ چند سیکنڈ کی مہلت بڑی غنیمت تھی۔ وہ مورچے میں بم پھٹتے ہی آگے دوڑے اب ان کے اور مورچے کے درمیان صرف ایک رکاوٹ تھی۔ خار دار تاروں کی باڑ۔ انھوں نے تھیلے سے باڑ کاٹنے والی ریتی نکالی اور پوری تیزی سے تاروں پر رگڑنی شروع کردی ان کو دوڑتا دیکھ کر پیچھے آنے والے مجاہدین بھی پوری تیزی سے دوڑے لیکن اس سے قبل کہ کیپٹن تک پہنچیں مورچے کے عقب سے مشین گنوں کی گولیاں آنی شروع ہوگئیں۔ مجاہدین پھر پیٹ کے بل لیٹ کر رینگنے لگے۔ اب رات کے تین بج رہے تھے۔

دشمن کا ایک گولہ خار دار تاروں کی باڑ کے قریب آکر گرا۔ شعلوں کی زرد روشنی میں دوستوں اور دشمنوں کے عین درمیان ایک سایہ کھڑا نظر آیا جو ہاتھ کے اشارے سے مجاہدوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کررہا تھا۔ مجاہد نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مورچے کی جانب بڑھے اب مورچے اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ باڑ کٹ چکی

تھی اور دشمن راہِ فرار اختیار کر رہا تھا۔ مورچے میں پہنچ کر ہر مجاہد کی نگاہیں اپنے بہادر قائد کو تلاش کر رہی تھیں۔
"کیپٹن صاحب! کیپٹن صاحب" آخر ایک مجاہد نے زور سے پکارا۔ آواز میں خوشی کی توانائی تھی اور خوف کی کپکپاہٹ بھی "جناب کیپٹن صاحب" وہی آواز پھر اُبھری لیکن کیپٹن سرور اپنے ساتھیوں کی پکار سے پہلے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہہ کر اپنے ساتھیوں سے کہیں آگے بڑھ چلے تھے۔ اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے جو انھوں نے خار دار تار کاٹتے ہوئے دشمن کی تیسری گولی کی زبانی سُنی تھی۔

مشق

۱۔ کیپٹن سرور نے بہادری کا کون سا کارنامہ انجام دیا؟
۲۔ کیپٹن سرور کس طرح شہید ہوئے؟
۳۔ کشمیر مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ ہوتے ہوئے بھی پاکستان میں کیوں شامل نہ ہو سکا؟
۴۔ اپنے دوست کو ایک خط لکھیے اس میں بتائیے کہ آپ کے شہر میں اس دفعہ یومِ دفاع کس طرح منایا گیا؟

اسم ضمیر کے ساتھ فعل کی مطابقت :۔ فعل میں کوئی نہ کوئی زمانہ تو پایا ہی جاتا ہے، لیکن جس اسم کے لیے وہ فعل استعمال ہوا ہو اُسی کے لحاظ سے اس فعل کی جنس بھی ہوتی ہے۔ اگر اسم یا ضمیر مذکر ہے تو فعل بھی مذکر جنس میں ہوگا اور اگر اسم یا ضمیر مؤنث ہے تو فعل بھی مؤنث جنس میں ہوگا۔

مثلاً : ۱۔ ہاں وہ جولائی کا مہینہ تھا۔
۲۔ ساتھ ہی انھیں خوشی تھی۔

پہلے جملے میں "مہینا" مذکر ہے اس لیے فعل "تھا" بھی مذکر آیا ہے۔
دوسرے جملے میں "خوشی" مؤنث ہے اس لیے فعل "تھی" بھی مؤنث آیا ہے۔

۵۔ اب آپ صحیح فعل لگا کر یہ جملے مکمل کیجیے:

الف ۔ بعض لوگوں نے انگریزوں کی تقلید ....
ب ۔ اکبر الہ آبادی نے اپنی شاعری سے مسلمانوں کو بیدار ....
ج ۔ استاد نے شاگرد کو انعام ....
د ۔ ابّو نے احمد کو عیدی ....
ہ ۔ سلیم نے کرم کو قلم ....

میرا پسندیدہ مشغلہ

کل جماعت میں مضمون نویسی کا مقابلہ ہوا تھا۔ آج ماسٹر صاحب جماعت میں آئے تو انھوں نے نتیجے کا اعلان کیا۔ اس مقابلے میں نعیم اوّل آیا تھا۔ پھر انھوں نے نعیم کو دعوت دی کہ وہ آکر اپنا مضمون جماعت کو پڑھ کر سنائے۔ نعیم نے پڑھنا شروع کیا۔

"بے کار آدمی کا دماغ شیطان کا کارخانہ بن جاتا ہے"۔ چنانچہ سمجھدار لوگ اپنے فارغ اوقات کے لیے کوئی ہلکی پھلکی مصروفیت پسند کر لیتے ہیں۔ یہی مصروفیت مشغلہ کہلاتی ہے۔

مختلف لوگ اپنی طبیعت اور ماحول کے مطابق مختلف مشغلے اختیار کرتے ہیں۔ کوئی مطالعے کا شوقین ہوتا ہے کوئی سیروشکار کا، کسی کو ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے، کسی کو پرندوں کے پر، کوئی مصوری کرتا ہے، کوئی پرندے وغیرہ پالتا ہے اور کوئی قلمی دوستی کا شوقین ہوتا ہے۔ یوں تو ہر شخص کو اپنا مشغلہ سب مشغلوں سے بہتر نظر آتا ہے لیکن مختلف مشغلوں کا موازنہ کیا جائے تو وہی مشغلے زیادہ پسندیدہ ہوں گے جو دلچسپ بھی ہوں اور مفید بھی، میرے پسندیدہ مشغلے "باغبانی" میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔

جہاں تک دلچسپی کا تعلق ہے تو کون ایسا بدذوق ہوگا جو صاف ستھری کیاریوں میں سلیقے سے لگے ہوئے پودوں اور ان کی سرسبز ڈالیوں سے جھانکتے ہوئے رنگ برنگ پھولوں کی بہار دیکھ کر واہ واہ نہ کہہ اُٹھے اور اگر وہ شاعر ہو تو علّامہ اقبال کا ہمنوا نہ ہو جائے کہ :ے

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے، پیرہن

دوسرے مشغلوں سے تو انسان کا دِل کسی بھی وقت بھر سکتا ہے لیکن باغبانی سے طبیعت کبھی سیر ہو ہی نہیں سکتی۔ زمین تیار کرنے سے لے کر پھول کھلنے تک ہر مرحلے میں میری دلچسپی کا نیا سامان موجود ہوتا ہے۔ جیسے جیسے پودوں میں نئی نئی پتیاں اور کلیاں نکلتی رہتی ہیں اس دلچسپی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ چھوٹے بڑے سب ہی میرے مشغلے میں دلچسپی لے رہے ہیں، بہنیں بالوں میں پھول لگا رہی ہیں امّی گلدان میں سجا رہی ہیں، ابّو رات کو سرہانے پھول رکھ رہے ہیں اور آنے جانے والے سب لوگ پھولوں کی تعریف کر رہے ہیں تو جی چاہتا ہے سب کام کاج چھوڑ کر دن رات کھُرپی لیے کیاری ہی میں بیٹھا رہوں۔

یہ تو تھی دلچسپی کی بات۔ رہا سوال مفید ہونے کا تو فوائد کے لحاظ سے بھی میرا مشغلہ کسی اور مشغلے سے کم نہیں۔ دوسرے مشغلوں میں عام طور پر کافی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً فوٹوگرافی اور شکار وغیرہ کافی مہنگے شوق ہیں۔ لیکن میرا مشغلہ ایسا ہے کہ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ آئے چوکھا۔ بس ایک مرتبہ چند اوزار مثلاً پھاوڑا، کھرپی، قینچی، فوّارہ اور کدال اور چند ٹوکریاں خرید لیجیے۔ جہاں تک بیجوں اور قلموں کا تعلق ہے، اوّل تو وہ ہم ذوق لوگوں سے مفت مل سکتے ہیں اور اگر خریدنے کی بھی ضرورت پڑ جائے تو بس ایک دفعہ خرید لیجیے اور پھر اپنی ہی کیاری کے بیج خود لگاتے رہیں اور دوسروں سے بھی ان کا تبادلہ کرتے رہیں، چھلکوں اور پتّوں کو ایک گڑھے میں ڈال کر گلاتے رہیں تو کھاد بھی خریدنے کی ضرورت نہیں۔ ایک آدھ کیاری سبزیوں کے لیے وقف کر دیجیے تو ہر فصل کی تازہ سبزی ہر وقت گھر میں موجود خود بھی کھائیے محلّے والوں کو بھی تحفہ دیجیے۔

یہ تو میرے مشغلے کے ظاہری فائدے تھے۔ باغبانی کے کچھ اور بھی فائدے ہیں جو غور کرنے سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اس قسم کے فائدوں میں سب سے اہم فائدہ تو یہ ہے کہ جب انسان اپنے ہاتھ سے کیاریوں میں مزدوروں کی طرح کام کرتا ہے اور ہاتھ مٹّی میں بھرتا ہے تو اس کے دل سے غرور اور تکبّر کے خیالات نکل جاتے ہیں، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس مشغلے میں اچھی خاصی ورزش بھی ہو جاتی ہے جو صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ تیسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ روزانہ دن کا کچھ حصّہ پودوں اور درختوں کے درمیان گزارنے سے ہمارے پھیپھڑوں کو ان سے خارج ہونے والی آکسیجن کافی مقدار میں مل جاتی ہے۔ جو ہماری زندگی اور صحت کے لیے

ضروری ہے ۔

باغبانی سے یہ سارے فوائد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اس مشغلے کے بارے میں تفصیلی معلومات ضرور حاصل کرلے ۔ ہم لوگ جب اپنے گھر آئے اور میں نے کافی زمین خالی دیکھی تو پڑوسی سے کدال لاکر الٹی سیدھی کیاری بنا کر اَلّم غَلّم بہت سے بیج اس میں ڈال دیے ۔ کچھ نکلے کچھ نہ نکلے ۔ جو نکلے تھے ان میں سے بھی کچھ پانی کی بہتات سے گل گئے کچھ دھوپ کی شدّت سے جل گئے اور کچھ کو چڑیاں چٹ کرگئیں ۔ میں ان چیزوں سے بددل ہو کر یہ مشغلہ ترک کرنے والا تھا کہ میرے والدصاحب نے فنِّ باغبانی پر لکھی ہوئی ایک کتاب لاکر دی ۔ جس میں زمین کی تیاری ، سبزیوں ، پودوں اور درختوں کی اقسام، ان کے بیجنے اور پھلنے پھولنے کے موسم ، مختلف پودوں کو پانی اور کھاد دینے کے طریقے ۔ غرض اس قسم کی ساری تفصیلات درج تھیں ۔ اب جو اس کتاب کی مدد سے میں نے کام کرنا شروع کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے میرا گھر اچھے خاصے باغیچے میں تبدیل ہوگیا ۔

میری دیکھا دیکھی اکثر اہل محلّہ اور ہم جماعت لڑکوں نے بھی اپنے گھروں میں کیاریاں بنالی ہیں اور جن کے گھروں میں کیاریاں بنانے کی گنجائش نہیں ہے وہ چھوٹے بڑے گملے خرید لائے ہیں ۔ اس مشترکہ مشغلے کی بنا پر ہم لوگوں میں پہلے سے زیادہ گہری دوستی ہوگئی ہے ۔ ہم لوگ ایک دوسرے کی کیاریاں دیکھنے جاتے ہیں ۔ قلموں اور بیجوں کا تبادلہ کرتے ہیں ۔ پھولوں کے گلدستے اور سبزیاں ایک دوسرے کو بھیجتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ "آپس میں ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیا کرو اس سے آپس کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے"۔ اس حدیثِ مبارک کا تجربہ مجھے اپنے اسی مشغلے کی بدولت ہوا ہے ۔

مشق

۱۔ کوئی نہ کوئی مشغلہ اختیار کرنا کیوں ضروری ہے؟
۲۔ باغبانی کے ظاہری فائدوں کے علاوہ اور کیا فائدے ہیں؟
۳۔ اس مشغلے سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے؟
۴۔ کسی مشغلے پر ایک صفحے کا مضمون لکھیے۔
۵۔ اس سبق کے پہلے پیرا کے افعالِ ماضی کو افعالِ مستقبل میں تبدیل کرکے پیرا دوبارہ تحریر کیجیے۔

جنس کے علاوہ فعل تعداد کے لحاظ سے بھی اسم کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اسم واحد ہے تو فعل بھی واحد آئے گا اور اسم جمع ہے تو فعل بھی جمع ہوگا مثلاً سہ

انبیاء آچکے، مرسلین آچکے ‏ ‏ مقتدی آچکے تو امام آگیا
آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تونے ‏ ‏ مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا

فلسطین میں ہزاروں مسلمان شہید کیے جاچکے ہیں۔
آزادیِ فلسطین کا نعرہ بلند کیا جاچکا ہے۔

ان مثالوں میں جہاں جہاں اسمِ واحد ہے وہاں فعل بھی واحد استعمال ہوا ہے اور جہاں اسم جمع آیا ہے وہاں فعل بھی جمع آیا ہے۔

لیکن ادب و احترام کی وجہ سے اکثر اوقات ہم اسمِ واحد کے لیے بھی جمع کا فعل استعمال کرتے ہیں، مثلاً سہ

نبی اور سب مقتدا بن کے آئے ‏ ‏ محمدؐ حبیبِ خدا بن کے آئے۔

۶۔ آپ اسی طرح کے پانچ پانچ جملے بنائیے۔

تحریکِ پاکستان اور خواتین

پاکستان کی تحریک میں جہاں مردوں نے عظیم قربانیاں دیں وہاں مسلمان خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شروع شروع میں جب قائدِاعظم محمد علی جناح رح نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی تو تحریک کے لیے کام کرنے والی خواتین کی تعداد کم تھی ان میں وہ ولولہ بھی پیدا نہیں ہوا تھا جس کی ضرورت تھی۔ قائدِاعظم رح نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا اور خواتین میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لیے اپنی ایک تقریر میں کہا: "میں ہر مرد، عورت اور ہر بچے کو تلقین کرتا ہوں کہ وہ سب آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ کوشش کیجیے کہ آپ جلد سے جلد بہت بڑی تعداد میں آل انڈیا مسلم لیگ اور ضلعی مسلم لیگ کی رکنیت قبول کریں۔ اپنی تنظیم کیجیے اور اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھیے۔"

قائدِاعظم رح کے پیغام سے خواتین میں قومی اور ملی فرض کا احساس بیدار ہو گیا اور وہ جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہونے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خواتین پورے ملک میں پھیل گئیں اور جہاں جہاں خواتین کی مجلسوں میں جاتیں وہاں انھیں مسلم لیگ کے بارے میں تفصیل سے بتاتیں۔ جو خواتین مسلم لیگ کو غلط پروپیگنڈے کی وجہ سے کچھ کا کچھ سمجھتی تھیں ان کی غلط فہمی دور کرتیں۔ شہروں میں خواتین کی نمائندگی سے مسلم لیگ کو تقویت ملی اور رسل و رسائل کی کمی کے باوجود دیہاتی خواتین کی بھی خاصی تعداد مسلم لیگ میں شامل ہو گئی۔

مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کے ساتھ ساتھ خواتین کی تنظیم کی شاخیں بھی باقاعدگی کے ساتھ کھلنے لگیں۔ اس کی ابتدا کرتے ہوئے قائدِاعظم رح نے برصغیر کے تقریباً ہر صوبے میں ایک ایک دو دو مسلم لیگی خواتین پر مشتمل ایک آل انڈیا خواتین مسلم لیگ سب کمیٹی نامزد کی۔ اس کمیٹی کی سب سے پہلی صدر مولانا محمد علی جوہر کی بیگم منتخب کی گئیں۔ انھوں نے بے حد جدوجہد کی۔ پورے ہندوستان کا دورہ کیا۔ صوبے میں صوبائی کمیٹیاں قائم کی گئیں، ان صوبائی کمیٹیوں نے اپنا اپنا صدر منتخب کیا۔ کام کی رفتار تیز ہو گئی۔ صوبائی کمیٹیوں کی ارکان شہر شہر پھریں اور اپنے اپنے شہر کے محلوں میں کمیٹیاں قائم کیں۔ غرض تمام ہندوستان میں خواتین مسلم لیگ کمیٹی کی شاخوں کا ایک جال پھیل گیا اور مسلم لیگ کے لیے جتنا کام مردوں میں ہو رہا تھا قریب قریب

اتنا ہی کام عورتوں میں بھی شروع ہوگیا۔ محلّہ سب کیٹی سے لے کر آل انڈیا مسلم لیگ خواتین تک عہدیداروں کے باقاعدہ انتخاب ہوتے تھے۔ اور عہدیدار خواتین باقاعدہ اپنے فرائض انجام دیتی تھیں۔

بیگم محمد علی جوہر جو خواتین مسلم لیگ کی سب کیٹی کی صدر تھیں آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کی بھی رکن تھیں اس وجہ سے وہ بہت معروف رہتی تھیں۔ لہٰذا اس سب کیٹی کی صدر لیڈی عبداللہ ہارون کو منتخب کر لیا گیا۔ جو قیامِ پاکستان تک اس تنظیم کی صدر رہیں۔ اس زمانے میں جو خواتین مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کے لیے مختلف مقامات پر خاص طور پر کام کررہی تھیں ان میں محترمہ فاطمہ جناح، بیگم اختر سلیمان، بیگم تصدق حسین، بہت مشہور تھیں۔

ان خواتین نے پاکستان کی تحریک کو آگے بڑھانے اور مسلم لیگ کو گوشے گوشے میں کامیاب کرانے میں جو کردار ادا کیا وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ انھوں نے عام عورتوں میں سیاسی شعور پیدا کیا اور یہ بتایا کہ پاکستان کا اصل مقصد کیا ہے۔ اگر ہم اس کے لیے جدوجہد کریں گے تو یقینی طور پر ہم کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ پھر ہم ایک آزاد ملک کے باشندے ہوں گے اور اس ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ آسان ہوگا۔

آزادی سے پہلے ہی مسلمان طالب علموں کی ایک تنظیم آل انڈیا مسلم لیگ اسٹوڈنٹس فیڈریشن تھی۔ ایسی ہی ایک تنظیم "مسلم گرلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن" کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی کنوینر بیگم شائستہ اکرام اللہ تھیں۔ زنانہ نیشنل گارڈ بھی اسی زمانے میں قائم ہوئی۔ فیڈریشن کی رکن خواتین اور زنانہ نیشنل گارڈ کی رضاکار خواتین گھر گھر تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کا پیغام پہنچا رہی تھیں۔ خواتین کے جلسے اور جلوس کا انتظام بھی ان کے سپرد تھا۔ انھوں نے یہ فرض نہایت خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ پنجاب کے طلبہ نے ایک اور فیڈریشن قائم کی تھی جس کا نام مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن تھا۔ اس کے ساتھ ہی پنجاب کی مسلم گرلز فیڈریشن قائم تھی۔ اس کے ارکان نے تحریکِ پاکستان کی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ مارچ ۱۹۴۳ء میں گرلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائدِ اعظمؒ کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا جس کے جواب میں قائدِ اعظمؒ نے دو قومی نظریے اور تقسیم ملک کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا۔

"مسلمانوں نے متواتر پچیس سال ہندو مسلم سمجھوتے کے لیے کوشش کی مگر یہ کوشش ناکام رہی اور اس ناکامی میں قدرت کا ہاتھ کار فرما رہا تھا۔ قدرت نہیں چاہتی تھی کہ ان دونوں قوموں میں جب کہ کوئی چیز مشترک نہیں، کوئی سمجھوتہ ہو۔ اس قسم کا سمجھوتہ ہوتا تو لازمی نتیجہ عبرت ناک تباہی ہوتا۔ بعض لوگ لفظِ پاکستان سے عوام کو ڈراتے ہیں، حالانکہ ہر ایمان دار شخص جانتا ہے کہ پاکستان سے ہماری مراد کیا ہے۔ یہ لوگ بد دیانتی سے کام لے کر شرارت کرنا چاہتے ہیں، لیکن ہمیں اس قسم کی شرارتوں سے خائف نہیں کیا جا سکتا۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اب میں ہر مرتبہ پاکستان کا لفظ استعمال کروں گا۔ ہندوستان کبھی ایک ملک نہ تھا۔ یہاں کبھی ایک قوم آباد نہ تھی، صرف جغرافیائی اعتبار سے نہیں، ثقافتی اعتبار سے بھی اور سیاسی اعتبار سے بھی کبھی ایک ملک نہیں رہا۔"

قائدِ اعظمؒ کے ان الفاظ نے خواتین میں بھی حصولِ پاکستان کے لیے ایک نیا جوش اور جذبہ پیدا کردیا۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی۔ اس کا واضح ثبوت اس وقت ملا جب ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں عظیم کامیابی حاصل ہوئی۔ اس میں طلبہ و طالبات دونوں ہی کا بڑا حصہ تھا۔ ۱۹۴۶ء کے فسادات میں بھی مسلم لیگی خواتین نے مصیبت زدہ لوگوں کی بہت مدد کی۔ خاص طور سے صوبہ بہار میں بیگم محمد حسین کی سرکردگی میں خواتین نے وہاں کے مظلوموں کے لیے بہت کام کیا۔ فسادات کی آگ میں جلتے ہوئے مسلمان بہار کے علاقوں سے بھاگ بھاگ کر بنگال جارہے تھے جہاں بیگم اختر سلیمان اور بنگال مسلم لیگ کی خواتین ان کی آبادکاری کے کام میں دن رات مصروف تھیں۔

۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے حکومتِ پنجاب کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو اس تحریک میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین اور طالبات نے بھی حصہ لیا۔ سیکڑوں خواتین گرفتار ہوئیں، ظلم وستم سہے مگر تحریک کو نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رکھا۔ خواتین میں سب سے پہلے بیگم شاہ نواز گرفتار ہوئیں پھر دوسری خواتین اور طالبات۔ لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں خواتین کے جلوس بھی نکلے۔ دوسرے صوبوں میں بھی خواتین نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ اس تحریک کے دوران طالبات نے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ کچھ لڑکیاں کسی نہ کسی طرح پنجاب اسمبلی کی عمارت کی چھت پر چڑھ گئیں۔ انھوں نے یونین جیک (انگریزی حکومت کا جھنڈا) پھاڑ ڈالا اور اس کی جگہ مسلم لیگ کا سبز پرچم لہرادیا۔ آخرکار حکومتِ پنجاب عوام کی اس زبردست مخالفت کو برداشت نہ کرسکی اور اسے مستعفی ہونا پڑا۔

پاکستان کی تاریخ میں خواتین کی جدوجہد کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انھوں نے مردوں کے دوش بدوش پاکستان کے حصول کے لیے بے شمار کارنامے انجام دیے ہیں۔ جلسوں اور جلوسوں میں ہی نہیں بلکہ جہاں بھی ضرورت محسوس کی انھوں نے عملی اقدام کیے ہیں۔ خاص طور سے پاکستان بن جانے کے بعد جب ہندوستان سے مہاجروں کے قافلے کے قافلے بے سروسامان پاکستان پہنچ رہے تھے اِن خواتین نے ان کی ہر ممکن مدد کی۔ اُن کے کھانے پینے، رہنے سہنے، علاج معالجے اور تعلیم و تربیت کے لیے خدمات انجام دیں۔ تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں خواتین کی ان عظیم خدمات اور قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

مشق

۱۔ خواتین میں تحریکِ پاکستان کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے قائدِاعظمؒ نے کیا کہا؟
۲۔ قائدِاعظمؒ کی تقریر کے بعد خواتین میں کیا تبدیلی آئی؟
۳۔ آل انڈیا خواتین مسلم لیگ کی سب کمیٹی کی پہلی صدر کسے بنایا گیا؟
۴۔ اُن خواتین کے نام بتائیے جنھوں نے تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا؟
۵۔ بیگم شائستہ اکرام اللہ کس تنظیم کی صدر تھیں؟
۶۔ قائدِاعظمؒ نے گرلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سپاس نامے کے جواب میں کیا تقریر کی؟
۷۔ بہار کے فسادات میں کن خواتین نے رضا کارانہ خدمات انجام دیں؟
۸۔ صوبۂ پنجاب میں ۱۹۴۶ء میں حکومت کے خلاف سول نافرمانی میں خواتین نے کیا خدمات انجام دیں؟

اسم کے علاوہ اگر ضمیر واحد ہوگا تو فعل بھی واحد ہوگا اور اگر ضمیر جمع کا ہوگا تو فعل بھی جمع کا ہوگا مثلاً:
وہ آیا وہ آیا وطن کا سپاہی۔ اُن کو نہ آنا تھا نہ آئے۔

میں خواہ مخواہ پریشان ہوا۔ وہ بیچارہ بھرے میں مارا گیا۔ انھیں زہر دے کر مارا گیا۔

۹۔ آپ اس طرح کے پانچ پانچ جملے بنائیے؟
۱۰۔ اس سبق میں اسمِ اشارہ اور اسمِ موصول استعمال ہوئے ہیں، انھیں تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیے۔

بڑھائیں قدم اور آگے بڑھائیں

بڑھائیں قدم اور آگے بڑھائیں
ترقی کی راہوں میں رُکنے نہ پائیں

صداقت سے ہرگز بھٹکنے نہ پائیں
کریں سخت محنت زمانے پہ چھائیں
بڑا کام کرکے بڑا نام پائیں!
نئی زندگی کے نئے گیت گائیں

بڑھائیں قدم اور آگے بڑھائیں
ترقی کی راہوں میں رُکنے نہ پائیں

محبّت کے پرچم اُڑاتے چلیں گے
صداقت کے دیپک جلاتے چلیں گے
تعصّب کی دیوار ڈھاتے چلیں گے
اُخُوّت کے نغمات گاتے چلیں گے

بڑھائیں قدم اور آگے بڑھائیں
ترقی کی راہوں میں رُکنے نہ پائیں

زمانے میں ہو علم کا بول بالا
ہو ہم سے ہمارے وطن میں اُجالا
ہو کردار اُونچا تو اخلاق اعلیٰ
جپیں مل کے سب علم و دانش کی مالا

بڑھائیں قدم اور آگے بڑھائیں
ترقی کی راہوں میں رُکنے نہ پائیں

ارشاد الحق قدوسی

مشق

۱۔ آخری بند کی نثر کیجیے۔

۲۔ اس نظم میں شاعر نے کس بات کو بار بار دہرایا ہے؟

۳۔ علم اور محبت کے بارے میں شاعر نے کیا کہا ہے؟

۴۔ معنی بتائیے۔

بھٹکنے نہ پائیں، زمانے پہ چھائیں، بڑا نام پائیں، پرچم اڑائیں، علم کا بول بالا۔

۵۔ ذیل کے الفاظ کے متضاد لکھیے۔

اُجالا، ترقی، آگے، بڑھنا، سخت، محبت، اچھائی، دعا، علم۔

۶۔ ذیل میں خط کشیدہ الفاظ اسمِ علَم کی کون کون سی قسم ہیں۔ بتائیے:

الف۔ فاتح سندھ محمد بن قاسم کا نام جنوبی ایشیا کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

ب۔ چنو نے ۱۴؍ اگست کو قائدِ اعظمؒ کی تقریر کا ریکارڈ سُنا۔

ج۔ ہم لوگ عائشہ کو محبت سے عاشی کہتے ہیں۔

د۔ خاتونِ جنت کی زندگی سادگی اور دینداری کا بہترین نمونہ تھی۔

ہ۔ گڈو نے ابن حسن کو بتایا کہ مولانا الطاف حسین حالی کو حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا تھا۔

و۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام عبداللہ تھا۔

۷۔ "حُبِ وطن" کے عنوان سے ایک مضمون لکھیے۔



مولوی عبدالحق

مولوی عبدالحق ہاپڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۸۸۸ء میں علی گڑھ کے مسلم کالج میں داخلہ لیا جو اس وقت مسلمانوں کی واحد اعلیٰ تعلیمی درسگاہ تھی۔ ایک ذہین اور محنتی طالب علم ہونے کی حیثیت سے اپنے ہم سبقوں میں انھیں نمایاں حیثیت حاصل تھی اور علم وادب سے تو انھیں بہت ہی زیادہ شغف تھا۔ چناں چہ جب وہ علی گڑھ کالج سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے تو زبان وادب کی خدمت کی خاطر ایک رسالہ "افسر" جاری کیا۔ علم وادب کے ساتھ مولوی صاحب کو تعلیم و تدریس سے بھی دلچسپی تھی۔ چنانچہ حیدر آباد دکن میں مدرسہ آصفیہ کے صدر مدرس مقرّر ہوئے اور نمایاں کارکردگی کی بنا پر کچھ مدّت کے بعد انسپکٹر مدارس کے عہدے تک پہنچ گئے۔ کچھ مدّت اورنگ آباد کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ انھیں اردو زبان سے خاص دلچسپی تھی۔ چناں چہ اپنے فرائضِ منصبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ اردو کی ترقی کے لیے بھی کوشاں رہے۔ ۱۹۱۲ء میں "کل ہند انجمن ترقی اردو" کے اعزازی سکریٹری منتخب ہوئے۔ اب تو انھیں اپنی زبان کی خدمت کا خوب موقع ملا۔ ملک کے طول وعرض میں جگہ جگہ اس انجمن کی شاخیں قائم کیں۔ دفتروں اور تعلیمی اداروں میں اردو کو اس کا صحیح مقام دلانے کی کامیاب کوشش کی۔ ساتھ ہی دو سہ ماہی رسالے "اردو" اور "سائنس" نکالے جو بہت مقبول ہوئے اور اپنے علمی وادبی معیار کی وجہ سے قارئین سے داد و تحسین حاصل کرتے رہے۔ حیدر آباد کے قیام کے دوران مولوی صاحب نے ایک اہم خدمت یہ انجام دی کہ قدیم دکنی ادیبوں اور شاعروں نے اردو میں جو کتابیں لکھی تھیں اور جن سے اب کوئی واقف نہیں تھا وہ تلاش کیں اور انھیں چھپوایا۔ گو ان کتابوں کی زبان آج کی زبان سے بہت مختلف اور ایک عام اُردو داں ان میں سے اکثر کتابوں کا مفہوم آسانی سے نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن ان کتابوں سے اردو زبان کی ترقی کی رفتار کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بہت اہم ہیں۔ ان کتابوں پر مولوی صاحب نے جو تبصرے لکھے ہیں، وہ قدیم ادب کے بارے میں ان کی معلومات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اردو کی ترقی کے سلسلے میں مولوی عبدالحق صاحب کی ایک قابلِ ذکر خدمت عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام ہے۔ یہ مولوی عبدالحق کی کوششوں اور نظامِ دکن کی علم پروری ہی سے ممکن تھا کہ ایک ایسی یونیورسٹی قائم ہو جائے

جہاں ابتدا سے لے کر انتہا تک تمام علوم و فنون اردو میں پڑھائے جائیں۔ اس کام کے لیے اردو میں ہر مضمون پر کتابیں درکار تھیں۔ ان کتابوں کی تیاری کے لیے انھوں نے ایک دار الترجمہ کھلوایا۔ جس میں ہر علم اور فن کی سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور بہت سی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور جس کی بدولت آج بھی ہم ہر مضمون اپنی قومی زبان میں پڑھ سکتے ہیں۔

مولوی عبدالحق نے اپنی پوری زندگی اردو کی ترقی کے لیے وقف کردی تھی۔ چناں چہ جب وہ محکمۂ تعلیم کی ذمہ داریوں سے سُبکدوش ہوئے تو عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر مُقرّر ہوئے۔

مولوی عبدالحق نے "چند ہم عصر" میں اپنے زمانے کی اہم شخصیتوں پر مضامین لکھے ہیں۔ مولوی صاحب خود عملی آدمی تھے۔ اس لیے اُن کی نظر میں ہر وہ شخصیت اہم تھی جو محنتی اور ذمّہ دار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں جہاں مشہور و معروف شخصیتوں کا ذکر ہے وہیں نام دیو مالی کا بھی ذکر ہے۔ جو ایک مقبرے کے باغ کو خشک سالی کے موسم میں بھی بڑی محنت سے سرسبز و شاداب رکھتا تھا۔

اردو کی ترقی کے سلسلے میں مولوی صاحب کے کارنامے اس قدر ہیں کہ کسی شخص نے اتنا کام نہ کیا ہوگا۔ ان کارناموں میں اُردو انگریزی ڈکشنری اور اردو قواعد کی تیاری قابلِ ذکر ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد مولوی عبدالحق کراچی تشریف لے آئے اور اپنی ضعیف العمری کے باوجود ہمہ تن اُردو کی خدمت میں مصروف رہے۔ یہاں انھوں نے اُردو کالج قائم کیا۔ جس میں عثمانیہ یونیورسٹی کی طرح تمام مضامین اردو میں پڑھائے جاتے ہیں۔ پاکستان بنا تو اُردو کو قومی زبان کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اُردو کی ترقی کی رفتار کو تیز تر کر دیا جائے تاکہ اسے قومی زندگی کے تمام شعبوں میں بآسانی رائج کیا جا سکے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے کراچی میں اردو یونیورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا اور ضعیفی کے باوجود جگہ جگہ چندے کے لیے پہنچے لیکن اس سے قبل کہ اردو یونیورسٹی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا ان کا آخری وقت آپہنچا اور وہ ۱۹۶۱ء میں مالکِ حقیقی سے جاملے۔ ان کو اُردو کالج کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔

جہاں تک مولوی عبدالحق مرحوم کی تحریر کا تعلق ہے، وہ بہت سادہ ہونے کے باوجود پُر اثر ہے۔ سیدھے سادے انداز میں اپنی بات کہتے ہیں۔ لفظوں کے برمحل استعمال سے ان کی عبارت میں زور پیدا ہو جاتا ہے اور موقع بہ موقع ظرافت کی چاشنی عبارت کو دلچسپ بنائے رکھتی ہے۔

جب تک اُردو زبان باقی ہے۔ اُس کے اِس محسن کا نام بھی باقی رہے گا۔

مشق

۱- مولوی عبدالحق کو بابائے اُردو کیوں کہا جاتا ہے؟
۲- اُردو کی ترقی کے لیے ان کی نمایاں خدمات کیا ہیں؟
۳- بابائے اُردو کی تحریر کے بارے میں آپ جو کچھ جانتے ہیں لکھیے۔

صفتِ ذاتی :-

اُس اسم کو کہتے ہیں جس سے کسی شخص یا چیز کی ذاتی صفت معلوم ہو اور وہ صفت اس میں مستقل ہو شلاً رحیم۔ کریم۔ علیم۔ سخی۔ بہادر۔ خوبصورت۔ بدصورت۔ میٹھا۔ کڑوا۔ بخیل۔ کنجوس۔ سچا۔ جھوٹا۔ دُکھیا۔ لڑاکا وغیرہ

۴- آپ ان لفظوں سے صفتِ ذاتی بنائیے :-
ڈر۔ مول۔ بھوک۔ پیاس۔ سمجھ۔ سیاہی۔ سفیدی۔ رنگ۔ حُسن۔ شجاعت۔ عزّت۔ ہمت۔
۵- اس سبق کے پہلے صفحے پر جو جو فعل ماضی مطلق استعمال ہوئے ہیں، انھیں چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے:

وضاحت: چند ہم عصر مولوی عبدالحق مرحوم کی مشہور کتاب ہے۔



پیرس

ہم لندن سے گرمی کھاتے چلے تھے تو بھاری سوٹ اس خیال سے زیب تن کرلیا تھا کہ پیرس میں مزدور سردی ہوگی۔ یہاں بھی ایسی گرمی تھی کہ ہلکے سوٹ کو بھی گوارا نہ کرتی تھی بلکہ ایک روز تو قریب شام ہم قمیض ہی میں ایفل ٹاور کو نکل گئے۔ اسی شام کو کچھ بوندیں پڑیں، رات کو خنکی ہوئی اور صبح ہونے تک مرمر چل رہی تھی اور خاصا ٹھنڈا موسم تھا لوگوں کے لیے اوور کوٹ کہیے لیکن ہم یہ پالان اٹھانے کے قائل نہیں۔ اس لیے بھی کہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ کراچی سے اس لیے نہ لائے تھے کہ لندن میں دیکھا جائے گا۔ لندن میں بس ایک روز ضرورت پڑی۔ اوور کوٹ کی تو نہیں بھاری رین کوٹ کی۔ لیکن سوچا کہ کراچی میں ایک بیکار پڑا ہے۔ دوسرے کو کہاں رکھیں گے۔

ہمارے دوست مرزا نسیم بیگ کو اصرار ہے۔ اب کے تمھیں پیرس کی خزاں دکھائیں گے۔ فلاں جنگل میں جائیں گے۔ جہاں شاہ بلوط کے پیڑوں سے پتوں کے گرنے کا سماں عجب ہوتا ہے۔ وہ خزاں کے اس نظارے کے عاشق ہیں۔ ادھر ہمارا جی بہار دیکھنے کو چاہتا ہے اور اتفاق کہیے کہ جس ملک میں جاتے ہیں وہاں خزاں سے واسطہ پڑتا ہے۔ خزاں یا تو پہلے سے وہاں موجود ہوتی ہے یا ہمارے ساتھ چلی جاتی ہے۔ ہم کابل گئے تو درختوں پر ایک پتا بھی نہ تھا۔ اصفہان میں پتے جھڑ رہے تھے اور شیراز لنڈ منڈ تھا، لندن، ٹوکیو اور برلن میں خزاں کیا بہار کیا۔ بڑے شہروں میں لوگ برگ درختانِ سبز کو نہیں دیکھتے دوسری بہاروں کو دیکھتے ہیں۔ مرزا نسیم بیگ جیسے لوگ کم ہوتے ہیں کہ شہروں میں رہیں اور جنگل کی آرزو کریں۔

کل کا دن ہمارا بڑا بھرپور تھا۔ ہمارا کام یونیسکو ہی سے ہوتا ہے۔ سو وہ تمام ہوا۔ اب سین کے کنارے اور بلمش میں آوارہ خرامی سے ہمیں کون روک سکتا ہے۔ پیرس ہم دو تین بار پہلے آچکے ہیں لیکن لوور کے عجائب گھر کو دیکھے بنا جاتے رہے۔ اب کے ہم نے تہیہ کیا کہ لوور دیکھیں گے اور اس میں مونالیزا کی تصویر دیکھیں گے ورنہ ہمارے آرٹسٹ مزاج لوگ طعنہ دیں گے اور مونالیزا کو بھی شکایت

رہے گی۔ پس ہم نے ایک یار عزیز کی ہمراہی میں لوور کا راستہ لیا۔ لوور ایک عجیب ڈھنڈار جگہ ہے۔ یہ محل چالیس ایکڑ کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ یعنی روم کے وٹیکن محل سے تین گنا وسعت رکھتا ہے۔ اس کے مختلف حصے مختلف بادشاہوں کے دور میں بنے اور اس کی گیلریوں اور غلام گردشوں کا طول سات آٹھ میل بنتا ہے۔

خیر لوور تو اب اپنے میوزیم کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کے بعض ذخیرے برٹش میوزیم سے بھی بڑے بیان کیے جاتے ہیں۔ لیکن دونوں میں فرق ہے۔ اس میں آرٹ کے ذخائر یعنی تصویروں کے سلسلے بہت ہیں۔ برٹش میوزیم میں پرانے آثار کی بھرمار ہے۔ آرٹ گیلریاں الگ ہیں۔ ہم نے آثارِ باقیہ بھی بہت دیکھ لیے اور آرٹ گیلریاں بھی۔ لندن میں، جنیوا میں، برلن میں، ایمسٹرڈم میں، لیڈن میں، پراگ میں، وی آنا میں، قاہرہ میں، کولمبو میں، جکارتا میں، بیجنگ میں، واشنگٹن میں، یہاں کا شہرہ بھی بہت سُنا تھا اور پھر مونا لیزا۔ جس کی مسکراہٹ پر ڈھیروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

لوور کے چاروں طرف دروازے ہیں۔ پہلے تو یہ ہوا کہ ہم ایک دروازے سے داخل ہوئے دوسرے سے نکل گئے۔ پھر دوسرے سے داخل ہوئے تیسرے سے نکل گئے۔ پھر تیسرے سے داخل ہوئے۔ کہاں تک نکلتے رہتے۔ یہیں ٹکٹ ملتا تھا اور یہیں سے عجائب گھر شروع ہوتا تھا۔ یونانی اور رومن اور مصری آثار سے ہم جلدی سے فارغ ہوئے۔ مشرقیات کو بھی بھگتایا اور آخر تصویروں کی گیلریوں میں پہنچ گئے۔ میلوں نہیں تو فرلانگوں تک دیواروں میں تصویریں ٹنگی تھیں۔ ایک سے ایک شاہکار۔ ان باکمالوں کے جن کے نام ہم نے سُنے تھے اور ان کے جن کے نہیں سُنے تھے لیکن ہر کسی کو ہم نے نگہبانوں سے یہی پوچھتے دیکھا کہ مونا لیزا کس کمرے میں ہے، گویا کسی کو اس کی فرصت نہ تھی کہ اپنی آنکھوں سے ان مصوروں کی کاوشوں کو دیکھے اور لطف اندوز ہو اور اپنی رائے قائم کرے۔ مونا لیزا کا سُنا تھا اور اسی کی تلاش تھی۔ صاحبو! پروپیگنڈا بڑی چیز ہے۔ ہم نے بہت چھوٹی عمر میں، دس بارہ سال کے سن میں پہلی بار مونا لیزا کا ذکر پڑھا تھا اور اس کی تصویر نیرنگِ خیال کے سالنامے میں دیکھی تھی جو کچھ نقادانِ کرام نے مونا لیزا کی مسکراہٹ کے باب میں لکھا تھا۔ اسے پڑھ کر تو ہم مُتاثر ہوئے لیکن تصویر دیکھ کر نہیں۔ پھر سینکڑوں بار یہ تصویر دیکھی۔ اور آخر خیال کیا کہ یہ آخر نقلیں ہیں۔ اصل میں ضرور کوئی بات ہو گی۔ پس ہم لوور میں اسٹیٹ روم میں پہنچے تو دم بخود تھے۔ ایک تصویر کے سامنے لوگوں کا ہجوم تھا۔ صرف ایک تصویر کے گرد سُرخ بانات کا فریم تھا اور اوپر شیشہ تھا۔ ہم نے اسے دور سے دیکھا، پاس سے دیکھا۔ بہت جی کو کڑا کیا لیکن صاحبو! آپ لوگوں نے بھی یہ تصویر دیکھی ہے۔ اس میں کون سی خاص بات ہے۔ ایک چہرہ ہے جس پر کسی طرح کے جذبات نہیں۔ کسی طرح

کی شوخی نہیں۔ غم کی کیفیت نہیں اور ایک مسکراہٹ یا نیم مسکراہٹ ہے۔ لیونارڈو ڈی ونشی کے ہم بہت قائل ہیں اور اس کے شاہکار ہم نے دیکھے ہیں۔ لیکن یہ تصویر؟ ہے ادب شرط، منہ نہ کھلوائیں۔ ایک بار کسی نے اسے چڑھا دیا۔ باقی لوگ تقلیداً مکھی پر مکھی مارتے گئے۔ اگر کسی کی رائے ایسی ہوئی جیسی ہماری ہے تو مُروّت کے مارے یا نقادوں کے ڈر سے چپ ہو گیا کہ بدذوقی کی تہمت نہ اٹھائے۔

(ابنِ انشاء)

مشق

۱۔ مضمون نگار نے پیرس میں کن کن مقامات کی سیر کی، بیان کیجیے:

۲۔ اس مضمون میں پیرس کے موسم کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اُسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۳۔ پیرس کا لوور عجائب گھر کیوں مشہور ہے؟

۴۔ صاحبِ مضمون نے اس عجائب گھر کی کن کن چیزوں کا ذکر کیا ہے؟

۵۔ مونا لیزا کی تصویر کے بارے میں صاحبِ مضمون نے کیا تاثرات بیان کیے ہیں؟

۶۔ آپ نے کوئی سفر کیا ہو تو اس کی کیفیت بیان کیجیے۔

۷۔ اس مضمون میں بعض محاورے استعمال ہوئے ہیں۔ آپ انھیں اپنی کاپی میں لکھیے۔

۸۔ اس مضمون میں کچھ اسمِ معرفہ استعمال ہوئے ہیں۔ آپ انھیں چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

اقوالِ زرّیں

پروین کی سالگرہ تھی۔ گھر میں خوب روشنی ہو رہی تھی۔ بہت سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ مہمانوں کی خاطرداری کے لیے سالگرہ کے کیک کے علاوہ کباب، سموسے، آلو چھولے، رس گلّے، بسکٹ اور مختلف قسم کی بہت سی چٹنیاں بھی تیار کی گئی تھیں۔ ہر آنے والی خاتون کوئی نہ کوئی تحفہ لاتیں اور میز پر رکھ دیتیں۔ تحفوں کا ڈھیر بڑھتا جا رہا تھا۔ پروین کی والدہ ہر آنے والی خاتون کا احترام سے خیر مقدم کرتیں اور انھیں اندر کمرہ میں لے جا کر بٹھاتیں۔ پروین کی سہیلیاں اور تمام ہم جماعت لڑکیاں بھی سالگرہ میں شرکت کی غرض سے آئی ہوئی تھیں۔ لیکن اسے اپنی ہردلعزیز معلمہ آپا افشاں کا بے حد انتظار تھا۔ وہ بار بار دروازے پر جاتی اور مایوس لوٹ آتی۔ لیکن اس مرتبہ تو سچ مچ آپا افشاں آہی گئیں۔ پروین اور اس کی تمام سہیلیاں انھیں اپنے جھرمٹ میں لیے کچھ اس طرح کمرے میں آئیں جیسے چاند کے گرد ہالہ ہو۔

پروین کی والدہ آپا افشاں سے بڑے تپاک سے ملیں اور دوسری مہمان خواتین سے ان کا تعارف کرانے لگیں۔ آپا افشاں نہایت خوش اخلاق اور سادہ مزاج خاتون تھیں۔ وہ علم کے زیور سے بھی آراستہ تھیں۔ سالگرہ کی تقریب ختم ہوتے ہی مہمان خواتین ایک ایک کرکے رخصت ہونے لگیں۔ پروین اور اس کی سہیلیوں نے آپا افشاں کو جانے نہیں دیا اور کہا کہ "اقوال زریں" کا جو مقابلہ جماعت میں ہونے والا تھا وہ یہیں پر ہو جائے۔ اس مقابلے کے بارے میں طے پایا تھا کہ جس لڑکی کو زیادہ اور اچھے اقوال یاد ہوں گے وہ مقابلہ جیت لے گی اور اُسے "تذکارِ صحابیات" انعام میں دی جائے گی۔

آپا افشاں نے پروین سے کہا۔ "آج آپ کی سالگرہ ہے اس لیے سب سے پہلے آپ ہی کوئی قول بیان کریں۔"

پروین نے ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ "آپا! آپ میری استاد ہیں۔ ابتدا آپ کریں۔"

آپا افشاں مسکرائیں اور بولیں۔ "بہت بہتر۔"

نبیلہ جو اب تک خاموش بیٹھی تھی، پوچھنے لگی۔ آپا! اقوالِ زرّیں سے کیا مراد ہے؟ میں اس دن اسکول نہیں

آئی تھی جس دن آپ نے اس کے بارے میں بتایا تھا ۔"

نبیلہ! اقوالِ زرّیں سے مراد وہ نصیحتیں ہیں جو مشہور ہو کر ہم تک پہنچی ہیں ۔ آپا افشاں نے کہا ۔

نبیلہ نے آپا افشاں کا شکریہ ادا کیا ۔" اچھا تو پہلے میری باری ہے ۔ میں اللہ تعالیٰ کے کلام سے اِس مقابلہ کی ابتدا کرتی ہوں جو ہمارے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے ۔ فرمانِ خداوندی ہے :"

" والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو ۔ اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو ۔"

پروین کی والدہ بھی اس ایمان افروز گفتگو میں شریک ہو گئیں اور انھوں نے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد سنایا :" فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں ۔"

پروین بولی ۔ میں بھی باری تعالیٰ کا ایک ارشاد سناتی ہوں ۔" اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ۔"

پروین کی والدہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں حضرتِ لقمان کی یہ نصیحت بیان فرمائی ہے ۔ وہ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں :

" زمین پر اکڑ کر نہ چل (کیونکہ) نہ تو زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑ جتنا اونچا ہو سکتا ہے ۔"

ریحانہ نے کہا : میں آپ کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد بیان کرتی ہوں :

" جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور ہوگا ، وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا ۔"

رُخسانہ بولی " میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اِرشاد آپ لوگوں کو سناتی ہوں ۔ ارشاد یہ ہے :

" روزہ رکھ کر بھی جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہ چھوڑے تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑ دے ۔"

اب خالدہ کی باری تھی ، اس نے بھی ایک حدیث بیان کی :" خدا کی قسم ! وہ شخص ایمان نہیں رکھتا ، جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ رہے ۔"

" تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک سچّا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے ۔" انجم نے بھی ایک حدیث بیان کی ۔

اب سب کی نظریں نجمہ کی طرف اٹھ گئیں وہ ابھی تک خاموش بیٹھی تھی ، سب کو اپنی طرف مُتوجّہ دیکھ کر نجمہ کچھ گھبرا سی گئی لیکن جب آپا افشاں نے مُسکرا کر اُسے دیکھا تو اس کی ہمّت بندھی ۔ اس نے پوچھا کہ کیا میں ایک سے زیادہ اقوالِ زرّیں پیش کر سکتی ہوں ؟

"ضرور، ضرور" آپا افشاں نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا۔ نجمہ بہت ذہین اور محنتی طالبہ تھی۔ اس کی سہیلیاں ہی نہیں، استانیاں بھی اس کی خوبیوں کی وجہ سے اسے بہت عزیز رکھتی تھیں، نجمہ اقوالِ زریں بیان کرنے لگی۔

"تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اخلاق کے اچھے ہیں" نجمہ نے ایک اور حدیث بیان کرتے ہوئے کہا: "لباس کی سادگی ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے" اس نے مزید کہا کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ" پہلوان وہ نہیں جو مدمقابل کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو غصے کے وقت خود کو قابو میں رکھے" رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ "جنت ماں کے پیروں تلے ہے"

آپا افشاں پروین سے مخاطب ہوئیں۔ "اب آپ کچھ اقوال بیان کریں گی"

"جی ہاں عرض کرتی ہوں" رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا" آپ کا ایک اور ارشاد ہے کہ "بری صحبت سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے اچھوں کی صحبت بہتر ہے"

پروین کچھ اور بھی بیان کرنے والی تھی کہ نبیلہ نے اسے ٹوکا "مجھے بھی کچھ کہنے کا موقع ملنا چاہیے"

"چلو تم ہی کہو" پروین نے ہنس کر کہا۔

نبیلہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا کہ: "دولتمندی مال و اسباب کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ اصل دولتمندی دل کی بے نیازی ہے" اس نے حضرت عثمانؓ کا بھی ایک قول بیان کیا۔ "خاموشی غصہ کا بہترین علاج ہے" پھر اس نے سقراط کا ایک قول بیان کیا کہ: جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ ہر ایک سے ڈرتا ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا"

اب لڑکیوں نے شور مچایا کہ آپا افشاں کچھ اور قول بیان کریں، آپا افشاں نے بچیوں کی بات مان لی اور ٹیپو سلطان شہید کا یہ قول بیان کیا "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے"

رات کے ۹ بج رہے تھے۔ آپا افشاں اور تمام بچیوں نے اپنی میزبان کا شکریہ ادا کیا۔ آپا افشاں نے بچیوں سے اجازت چاہی اور کہا کہ سب سے زیادہ اقوال نجمہ بی بی نے بیان کیے ہیں۔ نجمہ اس مقابلے میں اوّل آئی ہیں۔ کل اسکول میں تمام طالبات کے سامنے انھیں انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان پر تمام بچیوں نے نجمہ کو بڑے زور شور سے مبارک باد دی اور اس طرح یہ دلچسپ مجلس برخاست ہوئی۔

مشق

۱- اقوالِ زرّیں سے کیا مراد ہے؟
۲- تمام طالبات آپا افشاں کو کیوں پسند کرتی تھیں؟
۳- حضورِ اکرم صلّی اللہ عَلَیہ وآلہٖ وسلّم کے کچھ ارشادات اپنی کاپی پر لکھیے۔
۴- رسولِ پاک صلّی اللہ عَلَیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشادات کے علاوہ پانچ اقوال اور جمع کیجیے۔
۵- مندرجہ ذیل الفاظ اور محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
سالگرہ ، خیر مقدم ، ہر دِل عزیز ، تپاک ، تعارف ، اقوالِ زرّیں ، رشد و ہدایت کا سرچشمہ ، ایمان افروز گفتگو ، ذہانت ، ایذا رسانی۔
۶- مندرجہ ذیل جملے مکمل کیجیے:
(الف) جس شخص کے دِل میں ذرّہ برابر بھی .... ہوگا وہ .... میں داخل نہیں ہوگا۔
(ب) لباس کی سادگی .... کی علامتوں میں ایک .... ہے۔
(ج) والدین کے ساتھ .... سلوک کرو۔
(د) بہترین کلام .... کا کلام ہے اور بہترین .... محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت ہے۔
(ہ) تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو .... کے اچھے ہیں۔

وضاحت: "تذکارِ صحابیات" ایک مشہور دینی کتاب ہے جس میں مشہور صحابی خواتینؓ کا ذکر ہے۔

سفر ہو رہا ہے

جو خوش پوش گیسو سنوارے ہوئے تھا
بہت مال چہرے پہ مارے ہوئے تھا
بڑا قیمتی سوٹ دھارے ہوئے تھا
گھڑی بھر میں سب کچھ اتارے ہوئے تھا
بچارے کا حُلیہ دِگر ہو رہا ہے
کراچی کی بس میں سفر ہو رہا ہے

جو گردن میں کالر تھا "لر" رہ گیا ہے
ٹماٹر کے تھیلے میں "ٹر" رہ گیا ہے
خدا جانے مُرغا کدھر رہ گیا ہے
بغل میں تو بس ایک پَر رہ گیا ہے
سفر ہر قدم پُر خطر ہو رہا ہے
کراچی کی بس میں سفر ہو رہا ہے

وہ لکھتے ہیں، کچھ اپنے حالات لکھیے
گزرتے ہیں کس طور دن رات، لکھیے
مشاغل بہ تفصیلِ اوقات لکھیے
جو لکھیے تو اب اور کیا بات لکھیے
کوئی کام ہم سے اگر ہو رہا ہے
کراچی کی بس میں سفر ہو رہا ہے

سید ضمیر جعفری

مشق

۱۔ خوش پوش نوجوان کا حشر بس کے سفر میں کیا ہوا؟
۲۔ شاعر نے دوسرے بند میں جو نقشہ کھینچا ہے اسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔
۳۔ اگر آپ نے کبھی بس میں سفر کیا ہو تو اس کی روداد اپنے دوست کو لکھیے۔
۴۔ جب بس کچی سڑکوں پر چلتی ہے تو کیا حال ہوتا ہے؟

جو خوش پوش گیسو سنوارے ہوئے ہیں
بہت مال چہرے پہ مارے ہوئے ہیں
بڑا قیمتی سوٹ دھارے ہوئے ہیں
گھڑی بھر میں سب کچھ اتارے ہوئے ہیں

ان شعروں میں سنوارے، مارے، دھارے اور اُتارے قافیے ہیں اور "ہوئے ہیں" ردیف ہیں۔

۵۔ آپ اسی طرح باقی نظم کے بندوں میں سے قافیے اور ردیف تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیے۔

خواجہ ناظِم الدّین



خواجہ ناظم الدین مسلم لیگ کے ان رہنماؤں میں سے تھے جن پر قائدِ اعظمؒ کو بے حد اعتماد تھا۔ ان کا خاندان ایک مدّت سے قومی خدمت کے لیے مشہور تھا۔ مسلم لیگ کو مشرقی پاکستان میں مقبول بنانے میں اُن کے اہلِ خاندان نے بڑا حصّہ لیا تھا۔ بہت سے لوگ مسلم لیگ کی وجہ سے مشہور ہوئے لیکن خواجہ صاحب ایسے رہنما تھے جن کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ مشہور ہوئی۔ انھوں نے اپنی سیاسی حیثیت کو کبھی ذاتی یا خاندانی فائدے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ وہ سیاست میں قوم سے کچھ لینے کے بجائے اسے کچھ دینے بلکہ اپنا سب کچھ دے دینے کے قائل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تحریکِ آزادی کے سربراہ سے لے کر ادنیٰ کارکن تک کے دِل میں اُن کی محبّت تھی اور سب ان کے ساتھ عقیدت سے پیش آتے تھے۔

خواجہ ناظم الدین ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے انگلستان گئے اور کیمبرج یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے قانون کی بھی اعلیٰ سند حاصل کی۔ انگلستان سے واپسی پر خواجہ صاحب نے اپنی خاندانی روایات کے مطابق سیاست میں حصّہ لینا شروع کیا۔ وہ اپنے علاقے کے مسلمانوں کی بھلائی کے ہر کام میں پیش پیش رہتے تھے۔ خدمت کے اس جذبے نے انھیں تھوڑے ہی دنوں میں مشرقی پاکستان کا ایک مقبول رہنما بنا دیا۔ پاکستان بننے سے پہلے بھی وہ متحدہ بنگال کی صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور کئی بار وزیر بنائے گئے۔ انھوں نے وزارتِ تعلیم کی ذمّہ داری بھی انجام دی اور اپنی کوششوں سے بنگال کے خستہ حال مسلمانوں کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھایا۔ خواجہ صاحب کی

قومی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت نے انھیں "سر" کا خطاب دیا۔

خواجہ صاحب پُرانے مسلم لیگی تھے اور قائدِ اعظمؒ اُن کے قومی جذبے اور انتظامی صلاحیت کی وجہ سے اُن کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ خواجہ صاحب اور اُن کے ساتھیوں کی کوششوں کی بناء پر ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مُسلم لیگ کو بنگال میں ۹۷ فیصد نشستوں کی مثالی کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی سال جب مُسلم لیگ نے انگریزوں کی ہندو دوستی کے خلاف احتجاج کیا اور قائدِ اعظمؒ نے بڑے بڑے مسلم رہنماؤں سے انگریزوں کے دیے ہوئے خطابات واپس کرنے کی اپیل کی تو اس اپیل پر لبیک کہنے والے پہلے شخص خواجہ ناظم الدین ہی تھے۔

پاکستان قائم ہوا تو قائدِ اعظمؒ نے خواجہ صاحب ہی کو مشرقی پاکستان کا پہلا وزیرِ اعلیٰ مقرر کیا اور جب قائدِ اعظمؒ اللہ کو پیارے ہوئے تو مُسلم لیگ نے مُتفقہ طور پر خواجہ صاحب ہی کو قائدِ اعظمؒ کی جگہ پاکستان کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ اسی طرح جب قائدِ ملت لیاقت علی خاں شہید ہوئے تو اس وقت بھی وزیرِ اعظم کے اہم ترین عہدے پر خواجہ ناظم الدین ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔

خواجہ صاحب نے کوشش کی کہ قائدِ اعظمؒ کی وفات کے بعد وہ مسلم لیگی رہنماؤں کو بابائے قوم کے نقشِ قدم پر چلائیں لیکن وہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہوگئے۔ اُن کے صحیح اور مخلصانہ مشوروں پر عمل کرنے کے بجائے بعض خود غرض لوگوں نے اُن کے خلاف سازشیں شروع کردیں اور اُن کی شہرت و نیک نامی کو افواہوں کے ذریعے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اپنے ساتھیوں کی اس روش سے مایوس ہو کر خواجہ صاحب سیاست سے کنارہ کش ہوگئے۔

خواجہ صاحب کے اندیشے غلط نہ تھے۔ خود غرض سیاست دانوں نے حکومت اور سیاسی ماحول میں ایسا بگاڑ پیدا کیا کہ ملک میں آئینی حکومت کے بجائے فوجی حکومت قائم ہوگئی۔ فوجی حکومت کے سربراہ جنرل محمد ایوب خان نے مُسلم لیگ کے تمام سیاست دانوں کے خلاف مختلف الزامات لگائے۔ صرف ایک خواجہ صاحب مرحوم ہی تھے جنھیں نہ صرف یہ کہ ہر قسم کے الزامات سے بَری رکھا گیا بلکہ فوجی حکومت نے ان کی قومی خدمات اور دیانت داری کا اعتراف کرتے ہوئے ملک کا اعلیٰ اعزاز "نشانِ پاکستان" عطا کیا۔

خواجہ ناظم الدین ایک بہترین انسان اور باعمل مسلمان تھے۔ قدرت نے انھیں دین داری، ہمدردی، انسان دوستی، تواضع، انکسار اور دیانت داری کی جو خوبیاں عطا کی تھیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ خواجہ صاحب مرحوم سے مل لیتا، ہمیشہ کے لیے اُن کا مدّاح ہوجاتا۔ ۱۹۶۴ء میں خواجہ صاحب کا انتقال ہوگیا۔

مشق

۱۔ خواجہ ناظم الدین کے خاندان کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۲۔ خواجہ ناظم الدین نے قیامِ پاکستان سے قبل مسلمانوں کی کیا خدمات انجام دیں؟

۳۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد خواجہ صاحب نے کس کس حیثیت سے کام کیا؟

۴۔ قائدِاعظمؒ کی رائے خواجہ ناظم الدین کے بارے میں کیا تھی؟

۵۔ اس سبق سے کوئی چار اسمائے علَم تلاش کر کے لکھیے۔

بعض دفعہ جملے میں ایسے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں جو کسی اسم یا ضمیر کے فعل کی حالت کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً ان اشعار پر غور کریں۔

تھمتے تھمتے، تھمیں گے آنسو رونا ہے، کچھ ہنسی نہیں ہے

یہی جی میں آیا کہ گھر سے نکل ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

ہنستے ہنستے تو کیا قتل گناہ گاروں کو رو دیا دیکھ کے جلّاد نے زنداں خالی

دل کا اجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم بستی بسنا کھیل نہیں ہے، بستے بستے بستی ہے

ان اشعار میں تھمتے تھمتے، ٹہلتا ٹہلتا، ہنستے ہنستے اور بستے بستے ایسے الفاظ ہیں جو فعل کی حالت کو ظاہر کر رہے ہیں۔

۶۔ آپ مندرجہ ذیل اشعار اور جملوں میں ایسے الفاظ تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیے:

ے جاتے ہی جاتے جائیں گی یہ بد نصیبیاں آتے ہی آتے آئے گی تاثیر آہ میں

ے نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

بھئی تم آتے آتے کہاں رک گئے تھے؟ کلیم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

اکبر نے روتے روتے کہا ——— میں ابھی آتا ہوں اکرم جاتے ہوئے بولا۔

والی بال

شام کا وقت ہے۔ ہمارے گاؤں میں کھیل کا میدان لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، ان میں جوان، بوڑھے اور بچّے سبھی شامل ہیں۔ دراصل آج ہمارے گاؤں اور پاس کے گاؤں کی ٹیم کے درمیان والی بال کا مقابلہ ہے۔ والی بال کا مستطیل میدان بنایا گیا ہے۔ جس کے گرد چُونے سے لائنیں لگائی گئی ہیں۔ میدان میں چھڑکاؤ بھی کیا گیا ہے۔ ایک لائن کے ذریعے میدان کو دو برابر حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہر حصّے کو "ہاف" کہتے ہیں۔ اس لائن کے سرے پر ایک ایک بانس کھڑا کیا گیا ہے۔ اس پر ایک نیا خوبصورت جال جسے "نیٹ" کہتے ہیں، خوب تان کر باندھ دیا گیا ہے۔ ان دونوں بانسوں کو بھی ایک ایک رسی کے ذریعے کھینچ کر باندھا گیا ہے جو کہ والی بال کے میدان سے باہر گڑے ہوئے لکڑی کے دو دو کھونٹوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ کھیل کا مقابلہ شروع ہوا چاہتا ہے۔ لیجیے دونوں ٹیموں کے چھ چھ کھلاڑی اپنے اپنے ہاف میں آگئے ہیں اور تین تین کی دو قطاروں میں نیٹ کی طرف رُخ کرکے کھڑے ہوگئے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے ایک بوڑھے کھلاڑی کو کھیل کا ریفری بنا لیا گیا ہے جو کہ ایک بانس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے ہیں۔ لو اُنھوں نے سیٹی بجاکر کھیل شروع کرا دیا۔

مہمان ٹیم کا ایک کھلاڑی گیند لے کر اپنے ہاف کی پچھلی لائن سے باہر سیدھی جانب کے کونے میں گیا اور وہاں سے پہلے تو ہماری ٹیم کے کھلاڑیوں کا جائزہ لیا پھر ایک ہاتھ سے گیند کو ہوا میں اچھال کر دوسرا ہاتھ نیچے سے جُھلاکر اس زور سے مارا کہ گیند پلک جھپکتے ہی زنّاٹے سے نیٹ کے پار سیدھی ہماری ٹیم کے کونے کے ایک کھلاڑی کے پاس پہنچی۔ وہ کھلاڑی پہلے ہی شاٹ مارنے کے لیے تیار تھا۔ جونہی گیند آئی اس نے دونوں ہاتھ ایک ساتھ ملا کر جواباً زوردار "شاٹ" مارا۔ گیند پھر تیزی سے واپس مہمان ٹیم کے کھلاڑیوں کے ہاف میں آگئی۔ یہاں بھی ان کا کھلاڑی مُستعِد کھڑا تھا۔ اس نے بھی پھرتی اور قُوّت سے زوردار شاٹ مارا اور گیند مخالف ٹیم کی طرف پھینک دی۔ اب یہ سلسلہ اور بھی تیز ہوگیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے دونوں ٹیموں میں سے کوئی بھی ہار ماننے کو تیار نہیں ہے۔ ہر کھلاڑی نہایت مستعدی سے گیند کو شاٹ مار کر مخالف ٹیم کی طرف پھینک رہا ہے۔ ہر کھلاڑی کی یہی کوشش ہے کہ وہ اس قُوّت سے گیند دوسری طرف پہنچائے کہ

مخالف ٹیم کا کھلاڑی اُسے اٹھا نہ سکے مقابلہ سخت ہو گیا ہے۔ گیند اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر تیزی سے آ جا رہی ہے۔ ہر کھلاڑی کی نگاہ گیند پر ہے اور مجال ہے جو گیند گرنے پائے۔ تماشائی بھی بڑے محظوظ ہو رہے ہیں۔ ان کے سر گھڑیال کے پینڈولم کی طرح گیند کے ساتھ ساتھ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں گھوم رہے ہیں۔ اتنے میں مہمان ٹیم کے ایک کھلاڑی کو جوش آگیا اس نے پوری قوّت سے گیند کو شاٹ مارا اور گیند ہماری ٹیم کے سروں پر سے گزر کر ہاف سے باہر نکل کر گر گئی۔ ریفری نے سیٹی بجائی۔ لوگوں نے جوش میں تالیاں بجائیں اور اس طرح ہماری ٹیم کو گیند مل گئی۔

اب ریفری نے زور سے پھر صفر صفر کہا اور ہماری ٹیم کے ایک کھلاڑی نے اپنے ہاف کے باہر دائیں جانب سے سروس کی اور مخالف کھلاڑیوں کا جائزہ لیتے ہوئے زور سے گیند کو پھینکا۔ مہمان ٹیم کا کھلاڑی یہ سروس صحیح طریقہ سے اٹھا نہ سکا اور گیند "نیٹ" میں جا لگی مگر ان کا ایک دوسرا کھلاڑی تیزی سے بڑھا اور نیچے جُھک کر گیند کو ہوا میں بلند کیا پہلا کھلاڑی شاید پوری طرح تیار نہیں تھا اس لیے گیند اس سے پھر بھی نہ اُٹھ سکی لیکن اُن کے ایک اور کھلاڑی نے گیند کو عمدگی سے کھیلا اور ہماری ٹیم کے ہاف میں پہنچا دیا۔ مگر ریفری نے فوراً سیٹی بجائی اور ہماری ٹیم کو ایک پوائنٹ دے دیا۔ کیونکہ کھیل کے قانون کے مطابق گیند کو چوتھا ہاتھ نہیں لگنا چاہیے۔ ہماری ٹیم کے کھلاڑی نے پھر سروس کی مگر یہ گیند نیٹ کے کنارے کو چُھوتی ہوئی مہمان ٹیم کے پاس پہنچی۔ ایک مرتبہ پھر ریفری کی سیٹی بجی اور سروس مخالف ٹیم کو مل گئی۔ کیونکہ سروس کی گیند کو نیٹ سے ٹکرانا نہیں چاہیے۔ اب مہمان ٹیم کے کھلاڑی نے سروس کی اور اس طرح ایک بار پھر دھواں دھوں شروع ہو گئی دونوں طرف سے زوردار شاٹ مارے جا رہے ہیں اور گیند فضا ہی میں اِدھر اُدھر چکر لگا رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے دونوں ٹیمیں ہم پلّہ ہیں۔ کوئی کسی سے کم نہیں ہے۔ اتنے میں مہمان ٹیم کے ایک کھلاڑی نے نیٹ کے پاس ہوا میں اچھل کر سامنے سے آئی ہوئی گیند پر ایک ہاتھ سے زوردار شاٹ مارا اور گیند چشم زدن میں ہمارے کھلاڑیوں کے سروں پر سے گزرتی ہوئی لائن سے باہر نکل گئی۔ اس طرح ریفری نے سیٹی بجا کر سروس ہماری ٹیم کو دی۔ لوگوں نے پھر زوردار تالیاں بجا کر مسّرت کا اظہار کیا۔ مقابلے میں تیزی پیدا ہوتی جا رہی ہے اور دونوں طرف سے ہر کھلاڑی پوری پوری مہارت اور چُستی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ لوگوں میں مسّرت اور جوش و خروش لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ مہمان ٹیم سبقت لے گئی اور پندرہ پوائنٹ حاصل کر لیے جبکہ ہماری ٹیم بارہ پوائنٹ ہی بنا کر رہ گئی۔ ریفری نے ایک لمبی سیٹی بجا کر پہلا مقابلہ ختم کرنے کا اعلان کیا۔

اب دونوں ٹیموں نے اپنے ہاف تبدیل کیے اور دوسرا مقابلہ شروع ہوا۔ یہ مقابلہ بھی پہلے سے زیادہ دلچسپ رہا اور ہماری ٹیم نے اپنی جان توڑ کوشش اور پوری پوری مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مقابلہ جیت لیا۔ اب تیسرا مقابلہ ہونا ضروری ہوگیا ہے۔ یہ تیسرا مقابلہ مہمان ٹیم نے نہایت ہی عمدہ کھیل کے مظاہرے کے بعد جیت لیا۔ ریفری نے پھر ایک لمبی سیٹی بجا کر کھیل ختم ہونے کا اعلان کیا اور لوگوں نے پھر جوش و خروش سے تالیاں بجا کر فاتح ٹیم کو داد دی۔ اب جھٹپٹا ہو چلا ہے۔ مغرب کی اذان ہونے والی ہے سب لوگ نماز کے لیے چل دیے۔

مشق

۱۔ والی بال کی ٹیم میں کتنے کھلاڑی ہوتے ہیں؟

۲۔ "سروس" کسے کہتے ہیں؟

۳۔ کھیل کے دوران "ریفری" کیا کام کرتا ہے؟

۴۔ والی بال میں پوائنٹ کیسے بنتے ہیں؟

۵۔ ہمارے دیہات میں والی بال کیوں مقبول ہے؟

۶۔ ان الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

جان توڑ ۔ دھواں دھوں ہونا۔ کھچا کھچ بھرا ہونا۔ تقسیم۔ چشم زدن۔ جوش و خروش۔

۷۔ اس سبق کے پہلے پیراگراف کی عبارت کو ماضی مطلق میں تبدیل کیجیے۔

۸۔ ان لفظوں کے متضاد الفاظ لکھیے۔

زور ۔ پھرتی ۔ ہار ۔ سخت ۔ مخالف ۔

لطائف

سالانہ امتحان ختم ہو چکے تھے اور ان کے نتیجے کا انتظار تھا۔ ماسٹر صاحب جماعت کے کمرے میں داخل ہوئے تو ایک طرف سے آواز آئی "جناب آج تو لطیفہ گوئی کا مقابلہ ہو جائے"۔ ماسٹر صاحب نے کہا ٹھیک ہے۔ لیکن پہلے آپ لوگ لطیفوں کے بارے میں چند باتیں سن لیجیے۔ لطیفے سننے سنانے کا رواج نیا نہیں صدیوں پرانا ہے۔ بادشاہوں اور شہنشاہوں کے درباروں میں تو لطیفہ گو باقاعدہ حاضر رہا کرتے تھے تاکہ اپنے چٹکلوں سے بادشاہ اور اُمراء، وُزراء کا دِل بہلایا کریں۔

جب انسان محنت ومشقت کے کاموں سے جسمانی اور ذہنی طور پر تھک جاتا ہے تو اس کا دل چاہتا ہے کہ کچھ دیر ہنسی اور دل لگی کی باتیں ہوں، ہنسنے ہنسانے کا دور چلے تاکہ تھکے ہوئے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو اور وہ تازہ دم ہو جائے۔ ایسی حالت میں لطیفوں ہی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ گفتگو میں لطیفوں کی وہی اہمیت ہے جو کھانے میں نمک کی۔ جس طرح بے نمک کھانا بے مزہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ محفل بھی پھیکی رہتی ہے جس میں ایک آدھ لطیفہ نہ سنایا گیا ہو۔

اتنا کہہ کر ماسٹر صاحب مسکرائے اور لڑکوں سے مخاطب ہوکر کہنے لگے چلیے آپ کی منشا کے مطابق آج یہ گھنٹہ میں نے لطیفوں کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ لطیفے کیا ہوتے ہیں یہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ اب لطیفے سنانا آپ کا کام ہے۔

لڑکوں نے شور مچایا "نہیں جناب! پہلے آپ ایک لطیفہ سنائیے۔ ماسٹر صاحب نے کہا اچھا بھئی سنیے میں! میں ایک لطیفے جیسا واقعہ سناتا ہوں۔ چند دن ہوئے میں نے ایک جماعت میں اردو کا سبق پڑھا کر اس کی مشقیں کرنے کو دیں۔ مشقوں میں ایک سوال نئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کرنے کا تھا اور ان نئے الفاظ میں ایک لفظ "کارگزاری" بھی تھا۔ دوسرے روز میں نے کاپیاں دیکھیں تو ایک طالب علم نے اس لفظ کو جملے میں اس طرح استعمال کیا تھا: کار کے مالک نے پُل پر سے کار گزاری۔

ماسٹر صاحب چپ ہوگئے مگر لڑکوں کی ہنسی رُکنے ہی میں نہ آتی تھی۔ آخر ماسٹر صاحب بولے بھئی ہو چکی

ہنسی، اب کچھ لطیفے آپ بھی سنایئے ۔ ہاں نعیم! آپ سنایئے کوئی لطیفہ آپ کو لطیفہ گوئی کا بہت شوق ہے ۔

"بہتر جناب" نعیم بولا اور لطیفہ سنانے لگا، ایک پاگل دیوار سے کان لگائے کھڑا تھا کہ ایک صاحب اُدھر سے گزرے، پوچھنے لگے "کیا سُن رہے ہو میاں؟ پاگل بولا آپ بھی کان لگایئے وہ صاحب دیر تک کان لگائے کھڑے رہے پھر دیوار سے کان ہٹاکر بولے: مجھے تو کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا ۔

پاگل بولا" اتنی سی دیر میں آپ کیا سُن لیتے میں صبح سے کان لگائے کھڑا ہوں اور ابھی تک کچھ نہیں سُن سکا" اس پر لڑکے ہنس پڑے ۔ اب ماسٹر صاحب نے وحید سے کہا کہ وہ لطیفہ سنائے ۔ وحید بولا سنیے ۔" ایک گاہک نے دکاندار سے کہا ۔ کھجوروں کے ٹوکرے سے کمبل تو ہٹاؤ ذرا دیکھیں تمہاری کھجوریں کیسی ہیں ؟

دکاندار حیران ہوکر بولا، تم اسے کمبل کہتے ہو ارے بھائی مکھیاں ہیں" جب قہقہوں کا شور کم ہوا تو وحید نے ایک لطیفہ اور سنایا ۔

" ایک صاحب اپنے ایک دوست کے یہاں مہمان گئے ۔ میزبان کے کتے نے انھیں دیکھ کر بھونکنا شروع کردیا" میزبان مسکرا کر بولے: اس کے بھونکنے کی پرواہ نہ کیجیے ۔ آپ نے وہ مثل نہیں سُنی کہ بھونکنے والے کتے کاٹتے نہیں" ۔ مہمان بولا "میں نے تو سُنی ہے ممکن ہے آپ کے کتے نے نہ سُنی ہو" جب لڑکے خوب ہنس چکے تو احمد سے لطیفہ سنانے کی فرمائش کی گئی ۔

احمد بولا" سنیے ایک دن اُستاد نے شاگرد سے پوچھا" راستہ کے معنی بتاؤ؟

شاگرد بولا ۔"جس پر لوگ چلتے ہیں"

اُستاد نے دوسرے شاگرد سے پوچھا" اور تم راستی کے معنی بتاؤ ۔

شاگرد بولا" جناب جس پر عورتیں چلتی ہیں"

"واہ بھئی واہ! خوب لطیفہ ہے" لڑکوں نے شور مچا دیا ۔

"ہاں بھئی کامران! اب تمھاری باری ہے" ماسٹر صاحب بولے ۔

" کامران بولا: لیجیے سُنیے ۔ مُنّا غسل خانے میں نہا رہا تھا ۔ اس کی امّی کو کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی" ارے کیا ہوا بیٹے؟ امّی بولیں" امّی جان کچھ نہیں میری قمیض گر گئی تھی" منّے نے روتے ہوئے جواب دیا ۔ امّی نے کہا" تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟" ۔

مُنّا بولا" امّی جان قمیض کے اندر میں بھی تو تھا" سب لڑکے خوب ہنسے اور کامران سے ایک لطیفہ اور سنانے کی فرمائش کی، ایک صاحب نے گھر سے باہر جاتے ہوئے دیکھا کہ ان کے دو چھوٹے بچے بلی کے بچے کو صابن لگا لگا کر دھو رہے ہیں، انھوں نے بچوں کو منع کرتے ہوئے کہا ۔ بیٹا سردی کا موسم ہے

"تم اسے ٹھنڈے پانی سے دھو رہے ہو، یہ بیچارہ مر نہیں جائے گا؟"

"نہیں ابّو دھونے سے مرتا تھوڑی ہے"۔ ان میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔ وہ صاحب کچھ دیر بعد واپس لوٹے تو دیکھا کہ بلّی کا بچہ بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے اور دونوں بچے اس کے قریب افسردہ بیٹھے ہیں انھوں نے بچّوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "دیکھا تم لوگوں نے اسے مار ڈالا نا، ٹھنڈے پانی سے دھوکر"۔ "ابّو! دھونے سے تھوڑی مرا ہے کوئی"۔ چھوٹے بچّے نے صفائی پیش کی۔ "پھر کاہے سے مرا ہے"؟ ابّو بدستور غصّے میں تھے۔ "نچوڑنے سے"۔ دوسرے بچّے نے مُنہ بسورتے ہوئے کہا۔

اِس مرتبہ شاہد سے لطیفہ سنانے کے لیے کہا گیا۔ "شروع ہو جاؤں"۔ شاہد نے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ ضرور"۔ لڑکے چیخے۔

شاہد نے کہا۔ ایک بادشاہ نے اپنے درباری مسخرے کو خوش ہو کر گھوڑا انعام میں دیا۔ گھوڑا بڑا مریَل اور کمزور تھا۔ مسخرہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور ایک طرف کو چل دیا۔ بادشاہ نے آواز دے کر پوچھا "کیوں بھئی کہاں چل دیے"؟

حضور جمعے کی نماز پڑھنے"۔ مسخرے نے جواب دیا۔

"مگر آج تو پیر ہے"۔ بادشاہ نے حیران ہو کر کہا۔

مسخرہ یہ سن کر گھوڑے سے اُتر آیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا:

"حضور یہ گھوڑا جامع مسجد تک جمعے کے دن ہی پہنچے گا"۔

واہ کیا خوب جواب دیا مسخرے نے۔ لڑکوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ واہ بھئی شاہد ایک لطیفہ اور سناؤ اچھا بھئی اچھا۔ لو سُنو! ایک مریض نے نرس سے پوچھا۔ کیا ڈاکٹر نے نیند لانے والی گولیاں ابھی تک نہیں بھیجیں"؟ نرس بولی "نہیں، ابھی تک نہیں بھیجیں۔

مریض بولا۔ "گولیاں جلد منگوالو۔ مجھے نیند آرہی ہے، میں گولیوں کے انتظار میں زیادہ دیر جاگ نہیں سکتا۔

کمال ہے! لڑکے بولے اور دیر تک ہنستے رہے۔

"اکرم میاں اب آپ کی باری ہے"۔ ماسٹر صاحب بولے۔

بہتر جناب! لیجیے لطیفہ حاضر ہے۔ استاد نے شاگرد سے کہا۔ "برف کو جملے میں استعمال کرو"۔ شاگرد نے جملہ بنایا۔ پانی ٹھنڈا ہے۔ اُستاد غصّے سے بولے۔ اس جملے میں برف کہاں ہے؟ شاگرد بولا "جی! وہ پگھل چکی ہے"۔

"کتنا صحیح جواب ہے" لڑکے خوش ہو کر بولے "ماسٹر صاحب دیکھیے۔ منیر بالکل چپ بیٹھے ہیں۔ ان سے کہیے یہ کوئی لطیفہ سنائیں"۔

"ہاں بھئی منیر کیا کہہ رہے ہیں یہ لوگ" ماسٹر صاحب بولے۔

میں حاضر ہوں جناب لیجیے لطیفہ بھی حاضر ہے، سنیے۔

ایک صاحب نے کسی فلسفی سے پوچھا "حضرت کیا بات ہے دو رنگوں کی جرابیں پہنے پھر رہے ہیں"؟ فلسفی نے ایک نظر اپنی جرابوں پر ڈالی اور مسکرا کر بولے "کیا بتاؤں بھائی کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہوا کیا ہے! ایک جوڑا گھر میں بھی اسی طرح کا پڑا ہے"۔

لڑکوں کے قہقہوں کے ساتھ ہی گھنٹہ بجنے کی آواز آئی اور لطیفوں کا وقت ختم ہو گیا۔

مشق

۱۔ لطیفہ کسے کہتے ہیں؟

۲۔ ہمیں لطیفے کیوں اچھے لگتے ہیں؟

۳۔ اپنے دوست کو ایک خط لکھیے جس میں نئے نئے لطیفے ہوں۔

صفتِ نسبتی اس اسم کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرفِ نسبت ہوتا ہے اور جب کسی شخص یا چیز پر بولا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص یا چیز کو اس اسم سے کچھ نسبت اور تعلق ہے جیسے:

عربی، بنارسی، دریائی، جنگلی، کابلی وغیرہ

۴۔ ان لفظوں میں عربی کا تعلق عرب سے، بنارسی کا تعلق بنارس سے، دریائی کا تعلق دریا سے، جنگلی کا تعلق جنگل سے اور کابلی کا تعلق کابل سے ہے۔ ان لفظوں میں اس نسبت کی وجہ سے "ی" لگا دی گئی ہے۔ بعض کے آگے "ئی" بھی لگتا ہے۔ مثلاً فضا سے فضائی۔

۵۔ آپ درجِ ذیل لفظوں سے صفتِ نسبتی بنائیے:-

کشمیر، پاکستان، صحرا، سودا، خدا، افغان، طلا، عیسیٰ، جاپان، چین۔

بہار

ہُوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پُکار آئی
بہار آئی ، بہار آئی ، بہار آئی ، بہار آئی

ہوائے صاف اُس کے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
ہنس پڑتی ہیں کلیاں جب وہ ان کو منہ لگاتی ہے

شمیمِ باغ نے سیکھا چلن اِترا کے چلنے کا!
زمانہ آگیا پردے سے سبزے کے نکلنے کا!

دلہن کی شکل ہر گل نے لِباسِ سُرخ پہنا ہے
شجر کے جسم پر کیا خوشنما پھولوں کا گہنا ہے

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے منہ پہ زردی ہے
کہ وہ نوج اُس پہ غالب آئی جس کی سبز وردی ہے

چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھُولوں کا
جدھر دیکھو زمین پہنے ہوئے ہے ہار پھُولوں کا

شوقؔ قدوائی

مشق

۱۔ موسمِ بہار کی کیا پہچان ہے؟

۲۔ اس نظم میں بیان کیے ہوئے مناظر نثر میں لکھیے۔

۳۔ ان چیزوں سے شاعر کی کیا مراد ہے؟ وضاحت سے لکھیے۔

(الف) ہوا کا کلیوں کو منہ لگانا۔

(ب) کلیوں کا ہنس پڑنا۔

(ج) سبزے کا پردے سے نکلنا۔

(د) خزاں کے منہ پہ زردی چھا جانا۔

(ہ) بہار کی سبز وردی۔

(و) زمین کا ہار پہننا۔

۴۔ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے کی کیا خصوصیت ہے؟

۵۔ اس نظم کے پہلے شعر کے افعال کو ماضی قریب میں تبدیل کیجیے اور دوسرے شعر کے افعال کو ماضی بعید میں لکھیے۔

اَبُونَصرُ فارابی

ایک دن شام کا بادشاہ سیف الدولہ اپنے دربار میں رونق افروز تھا۔ بڑے بڑے عالم و فاضل اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک سیدھا سادا شخص ترکی لباس پہنے دربار میں داخل ہوا۔ بادشاہ نے اُسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ اس شخص نے بے باکی سے کہا۔ کہاں؟ کس جگہ؟ کیا میں اپنی حیثیت کے مطابق؟ اس جواب پر بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی پھر کہا اپنی حیثیت کے مطابق "یہ سن کر وہ شخص صفوں کو چیرتا ہوا بادشاہ کے تخت پر گیا اور اسے ہٹا کر خود بیٹھنا چاہا۔ بادشاہ کو اس شخص کی اس حرکت پر شدید غصہ آیا اور خادموں سے اپنی زبان میں کہا کہ "یہ شخص بہت بے ادب ہے مگر میں اس سے چند سوال کروں گا۔ اگر یہ جواب نہ دے سکا تو اسے نہایت سخت سزا دوں گا۔"

وہ شخص بادشاہ کی زبان جانتا تھا اس نے اُسی زبان میں بادشاہ سے کہا اے بادشاہ ذرا صبر کر۔ بادشاہ نے حیرت سے پوچھا "کیا تم یہ زبان جانتے ہو؟" اس شخص نے جواب دیا کہ "یہی نہیں بلکہ میں دنیا کی ستّر سے زیادہ زبانیں جانتا ہوں۔" پھر کیا تھا بادشاہ کا سارا غصہ جاتا رہا اور اس شخص کی علمیت اور قابلیت کا رُعب چھا گیا۔ بادشاہ نے نہایت احترام سے اس شخص کو اپنے پاس بٹھایا اور دربار میں موجود عالموں اور فاضلوں سے اس شخص سے گفتگو کرنے کے لیے کہا۔ لیکن اس شخص نے تمام درباریوں کو بحث میں ہرا دیا۔ آخر میں محفلِ موسیقی ہوئی اور اس میں اجنبی شخص نے اپنی جھولی میں سے موسیقی کا ایک آلہ "عود" نکالا اور اسے مختلف طریقوں سے بجایا۔ اس کی موسیقی نے تمام لوگوں پر جادو کا سا اثر کر دیا۔ اس نے اپنے ساز میں ذرا سی تبدیلی کر کے ایسے نغمے چھیڑے کہ لوگ ہنسنے لگے اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے، پھر ذرا سی تبدیلی کر کے ایسا نغمہ چھیڑا کہ لوگ زار و قطار رونے لگے پھر، ذرا سی تبدیلی کر کے ایسا نغمہ چھیڑا کہ لوگوں پر غنودگی طاری ہو گئی اور یہ شخص سب لوگوں کو سوتا چھوڑ کر دربار سے چلا گیا۔

یہ اجنبی شخص دنیائے اسلام کا عظیم سپوت ابونصر فارابی تھا۔ جو اپنے زمانے کے تمام سائنسی عُلوم کا ماہر اور ستّر سے زیادہ زبانوں کا ماہر تھا۔ فارابی نسلاً ایرانی تھا مگر اس کے آبا و اجداد ترکستان میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ابونصر روسی ترکستان کے دریائے سیحون کے کنارے واقع ایک سرسبز و شاداب

شہر فاراب میں ۲۵۹ھ میں پیدا ہوئے ۔ اس نسبت سے فارابی کہلائے ۔ اس کے والد کا پیشہ سپہ گری تھا مگر فارابی کو پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا ۔ اس نے ابتدائی تعلیم فاراب اور بخارا میں حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے بغداد چلا گیا اور چالیس سال رہ کر مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کیا ۔ حصولِ علم کی لگن نے اسے پھر بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور دمشق و مصر جا کر مزید علم حاصل کیا ۔ ابونصر فارابی کی قابلیت سے مُتاثِر ہو کر ہمدان کے بادشاہ سیف الدّولہ نے اسے اپنے پاس رکھ لیا اور نہایت عزت دی ۔

ابونصر فارابی نے برسوں کی محنت اور دن رات کی کوشش سے سائنس، طب، ریاضی، موسیقی اور بہت سے علوم میں اپنا مقام پیدا کیا اور سیکڑوں کتابیں لکھیں ۔ موسیقی کے کئی نئے ساز ایجاد کیے ۔ مگر افسوس کہ اس عظیم مُفکّر کی بہت سی کتابیں ضائع ہو گئیں تاہم جو ہم تک پہنچیں ان کی تعداد بھی ۱۱۷ ہے ۔ ان کتابوں سے نہ صرف یورپ والوں نے بلکہ دنیائے اسلام کے بڑے بڑے عالموں اور مُفکّروں نے بھی فیض حاصل کیا ۔ ابونصر فارابی نے ارسطو کی کتب حکمت کا عربی میں ترجمہ کر کے تعلیم دینا شروع کی اس لیے اُن کو معلّمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے ۔

دنیا کا یہ عظیم مُفکّر اور بادشاہ کا خاص آدمی ہونے کے باوجود نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا ۔ اسے فضول خرچی سے سخت نفرت تھی ۔ ہزاروں روپے وظیفہ چھوڑ کر صرف چار درہم روزانہ شاہی خزانے سے لے کر اپنی ضروریات پوری کرتا ۔ اس کی طبیعت میں شروع ہی سے صبر و قناعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ خوشامد اور چاپلوسی سے نفرت تھی ۔ بس یہ کتابیں ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھیں ۔ خودداری کا یہ عالم تھا کہ شروع میں ایک باغ کی رکھوالی کی اگر گھر کے چراغ میں تیل نہ ہوتا تو پہرے داروں کے چراغ تلے رات رات بھر مطالعہ کرتا ۔ قدرت نے اس کی محنت کا یہ صلہ دیا کہ ساری دنیا میں اس کے پھیلائے ہوئے علم کے چراغ روشن ہو گئے ۔ دنیائے اسلام کے اس عظیم فرزند نے ۳۳۹ھ میں اَسّی سال کی عمر میں دمشق میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا ۔

اس کا کہنا تھا کہ عُلم حاصل کرنے کے لیے انسان کو صحت مند، خوش مزاج اور خوش اخلاق ہونا چاہیے اور سب سے پہلے قرآن اور سیرت پاکؐ کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔

مشق

۱- ابونصر فارابی کہاں پیدا ہوا تھا؟
۲- ابونصر فارابی نے کس عمر میں اور کب انتقال کیا؟
۳- ابونصر فارابی نے کہاں تعلیم حاصل کی؟
۴- ابونصر فارابی کے بارے میں دس سطریں لکھیے۔
۵- دیے ہوئے لفظوں سے مندرجہ ذیل خالی جگہیں بھریے:

(ستّر - ۱۱۷ - سیف الدولہ - کئی - دمشق)

الف - ہمدان کے بادشاہ .... نے ابونصر فارابی کو اپنے پاس رکھ لیا۔
ب - ابونصر فارابی نے .... اور .... ساز ایجاد کیے۔
ج - ابونصر فارابی .... سے زیادہ زبانیں جانتا تھا۔
د - ابونصر فارابی کی کتابیں جو ضائع ہونے سے بچ گئیں ان کی تعداد .... ہے۔
ہ - ابونصر فارابی کا انتقال شہر .... میں ہوا۔

۶- اس سبق میں جو الفاظ صفت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں انھیں اپنی کاپی میں لکھیے۔
۷- ذیل میں پہلے کالم کے فقروں کو دوسرے کالم کے فقروں سے ملاکر جملے مکمل کریں:

الف	ب
ابونصر فارانی نسلاً	کا پیشہ سپہ گری تھا۔
ابتدائی تعلیم	بغداد میں حاصل کی۔
ابونصر فارابی نے چالیس سال تک تعلیم	فاراب اور بخارا میں حاصل کی۔
ابونصر فارابی کے والد	ایرانی تھا۔

۸- اس سبق کے پہلے پیرا میں جو جو فعل تعداد کے لحاظ سے آئے ہیں انھیں چن کر اپنی کاپی میں لکھیے۔

ہمارے ہمسائے

تہمینہ کی امّی ایک پڑھی لکھی گھریلو خاتون ہیں، گھر کی دیکھ بھال بہت اچھے طریقے سے کرتی ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت بھی نہایت سلیقے سے کرتی ہیں۔ تہمینہ اسکول سے گھر آئی تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس کی امّی باورچی خانے میں روٹی پکا رہی تھیں۔ ماں کو سلام کرتی ہوئی وہ جلدی سے کمرے میں چلی گئی۔ کتابیں رکھیں، لباس تبدیل کیا اور منہ ہاتھ دھو کر باورچی خانے میں ماں کے پاس آبیٹھی۔"

تہمینہ : لایئے امّی جان! میں پکادوں کچھ روٹیاں، آپ تھک گئی ہوں گی، صبح سے باورچی خانہ میں بیٹھی ہیں۔

امّی : رہنے دو بیٹی! بس اب دو چار ہی تو باقی رہ گئی ہیں باقی کام تم شام کو کرلینا۔

تہمینہ : جی اچھا۔ یہ کہہ کر تہمینہ پھر کچھ سوچنے لگی۔ ماں نے بھانپ لیا ضرور کوئی بات ہے ہنسکر کہنے لگیں

امّی : بیٹی تہمینہ کیا بات ہے آج کچھ چپ چپ سی ہو اسکول میں سزا تو نہیں ملی؟

تہمینہ : جی نہیں امّی میں تو اپنا کام باقاعدہ کرتی ہوں، مجھے سزا کیوں ملے گی۔

امّی : پھر کیا بات ہے؟

تہمینہ (جھلّاتے ہوئے) یہ جو پڑوس میں نزہت رہتی ہے نا.... اتنا کہہ کر تہمینہ خاموش ہوگئی۔

امّی : ہاں ہاں! جو تمھاری ہم جماعت بھی ہے، کیا ہوا اسے؟ وہ تو بڑی پیاری بچّی ہے۔

تہمینہ کو غصہ آنے لگا، بولی جی ہاں! بڑی پیاری ہے، تب ہی تو آج جماعت میں مجھ سے خوب لڑی اور آپ ہیں کہ ہر وقت ان لوگوں کا خیال رکھتی ہیں۔

امّی : ارے بیٹی! آج تمھیں کیا ہوگیا ہے، ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔ وہ ہمارے ہمسائے ہیں۔ مگر تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آخر بات کیا ہوئی؟

تہمینہ : آج امتحان کی فیس جمع کرنے کا دن تھا ہماری جماعت کی مانیٹر ساجدہ لڑکیوں سے فیس اکٹھی کر رہی تھیں، نزہت کی باری آئی تو میں نے کہا ساجدہ ان سے فیس مت لینا ان کی فیس میری امّی بھجواتی ہیں، میں کل لے آؤں گی۔ بس اتنا کہنا تھا کہ نزہت آگ بگولہ ہوگئیں اور لگیں مجھ سے لڑنے، بڑی آئیں تمھاری امّی میری فیس دینے والی، میں خود دیتی ہوں اپنی فیس خبردار جو آئندہ یہ بات کہی ہو، امّی جب

نزہت نے آپ کو برا بھلا کہا تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ میں نے کہا "ذرا زبان سنبھال کر بات کرو۔ میری امّی نہیں تو اور کون دیتا ہے تمھاری فیس ؟ تمھاری ہی نہیں بلکہ تمھارے بھائی کی فیس بھی امّی ہی دیتی ہیں۔ تم دونوں کی کتابیں اور یونی فارم بھی میری امّی ہی نے خرید کر دی ہیں۔ پس پھر کیا تھا وہ تو مجھے مارنے دوڑی۔ اگر لڑکیاں بیچ بچاؤ نہ کریں تو وہ تو آج مجھے زندہ ہی نہ چھوڑتی۔"

امّی : بیٹی تہمینہ! آج تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ بھلا تمھیں بھری جماعت میں یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ نزہت اور اس کے بھائی کی فیس میں دیتی ہوں اور پھر تم نے کتابوں اور یونی فارم کا ذکر کیوں کیا۔ افسوس بیٹی! تم نے بڑی نادانی کا ثبوت دیا۔ تم نے واقعی نزہت کو صدمہ پہنچایا ہے اور مجھے بھی۔ کیوں کہ تعلیم حاصل کرنا بچوں کا حق ہے۔ اگر نزہت غریب ہے تو کیا ہوا۔ اس کی تعلیم کا خرچ ہم برداشت کر رہے ہیں۔ اس طرح تمھارے ساتھ وہ بھی پڑھ لکھ لے گی۔

(امی کے چہرے سے اس بات کا اظہار ہو رہا تھا کہ انھیں تہمینہ کی بات بہت بُری لگی ہے۔)

تہمینہ : مگر امّی میں نے تو ایک صحیح بات کہی تھی اور نزہت لگیں اسے جھٹلانے، اس طرح بات بڑھ گئی۔ اس میں میرا کیا قصور ہے ؟

امّی : تمھارا ہی قصور ہے بیٹی، سراسر تمھارا ہی قصور ہے۔ احسان جتایا نہیں کرتے۔ تم نے نزہت کی خودداری کو ٹھیس پہنچائی ہے، یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ وہ ہمارے پڑوسی ہیں ان کا ہم پر حق ہے، ہمیں ہر بات میں ان کا خیال رکھنا چاہیے۔

تہمینہ : بس ہم ہی خیال رکھا کریں ان کا، چاہے وہ ہمارا ذرا بھی لحاظ نہ کریں۔

امّی : تم بھول گئیں شاید۔ پچھلے ہفتے جب میری طبیعت خراب تھی تو گھر کا زیادہ تر کام نزہت کی والدہ ہی کیا کرتی تھیں۔ کیا یہ اُن کا احسان نہیں ہے ہم پر ؟

تہمینہ : نزہت کی امّی تو اچھی ہیں مگر نزہت تو مجھے ذرا اچھی نہیں لگتی۔ آخر میں کیوں سنوں اس کی باتیں وہ کوئی ہماری رشتے دار تھوڑی ہے۔

امّی : اے بیٹی، تہمینہ آج کیا ہو گیا ہے تمھیں، پڑوسی تو رشتے داروں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔

تہمینہ : واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ نزہت مہ جبیں سے بڑھ کر تو نہیں ہو سکتیں۔

امّی : بیٹی، مہ جبیں تو تمھاری خالہ زاد بہن ہے اور نزہت تمھاری پڑوسی ہے۔ مہ جبیں تو پشاور میں ہیں اور نزہت برابر میں۔ اب بتاؤ مہ جبیں تم سے قریب ہے یا نزہت ؟

تہمینہ : مہ جبیں تو دور ہیں مگر ہیں تو میری بہن، نزہت سے تو میرا کوئی رشتہ نہیں۔ امّی روٹیاں پکا چکی تھیں، چولھے سے توا اتار کر ایک طرف رکھا۔ چکلا بیلن دیوار سے لگایا۔ روٹیاں چنگیر میں

ڈھک کر رکھیں اور ہاتھ دھونے لگیں۔

امّی : تہمینہ بیٹی آؤ اندر بیٹھیں، باورچی خانے میں تو بڑی گرمی ہوگئی ہے۔ تہمینہ کی باتوں سے اس کی امّی اداس ہوگئی تھیں۔ جب دونوں کمرے میں آکر بیٹھ گئیں تو امّی کہنے لگیں "تہمینہ آج مجھے اپنی کوتاہی کا احساس ہو رہا ہے، کاش میں نے پہلے ہی تمھیں پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوتا تو تم سے یہ غلطی سرزد نہ ہوتی"۔ تہمینہ حیرت سے ماں کا منہ تکنے لگی، اسے اس بات کا بہت دُکھ تھا کہ آج اُس نے اپنی امّی کو رنج پہنچایا ہے۔ وہ کہنے لگی :-

تہمینہ : پیاری امّی! اتنا تو آپ خیال رکھتی ہیں ان کا اس سے زیادہ اور اب کیا ہو سکتا ہے۔

امّی : بیٹی! جو ہم کرتے ہیں اپنے پڑوسیوں کے لیے وہ تو بہت ہی کم ہے، ہمیں تو اُس سے کہیں زیادہ ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسلام نے ہمسایوں کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن پاک اور حدیث شریف میں ہمسایوں کے بارے میں کھلے کھلے احکامات ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے پڑوسیوں کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ میں تمھیں بتاتی ہوں، غور سے سنو۔ تہمینہ ماں کے اور قریب ہوگئی اور پوری توجّہ سے ان کی بات سننے لگی۔

امّی : حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ

"جو کوئی خدا اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو کوئی ایذا اور تکلیف نہ دے"۔

"وہ مسلمان نہیں جو خود تو پیٹ بھر کے کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے"۔

ارشاد ہوتا ہے"۔

"وہ مومن نہیں جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہیں" سن رہی ہو تہمینہ؟

تہمینہ : جی امّی! سن رہی ہوں۔

امّی : ایک مرتبہ ایک شخص حضرت محمد مصطفٰی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "اے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم! مجھے اپنے اچھے یا بُرے کام کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ اس پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جب تم اپنے ہمسایہ کو اپنی نسبت اچھا کہتے سنو تو سمجھو کہ تم اچھا کر رہے ہو اور جب اُسے بُرا کہتے پاؤ تو سمجھ لو کہ بُرا کر رہے ہو"۔ امّی دیکھ رہی تھیں کہ ان کی باتوں کا تہمینہ پر بڑا اثر ہو رہا ہے وہ بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں، "بیٹی ایک دفعہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "تم میں سے کون شخص میری باتیں ابھی مجھ سے سیکھ کر ان پر عمل کرے گا یا اس شخص کو سکھائے گا جو اُن پر عمل کرے"۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے اُٹھ کر عرض کیا "اے خدا کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

میں خود کو پیش کرتا ہوں۔" اس پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میرا ہاتھ پکڑ کر پانچ باتیں گنوائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی اپنے ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرو۔ اس طرح تم مومنِ کامل بن جاؤ گے۔" آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے ہمسائے کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" تہمینہ پر ان باتوں کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے اپنا سر اپنی ماں کی گود میں رکھ دیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "کچھ اور بتائیے تاکہ مجھے اپنی غلطی کا اور بھی زیادہ احساس ہو جائے۔" تہمینہ نے کہا۔

امّی: بیٹی! بندے برائی کر کے اللہ سے توبہ کر لیں تو وہ اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے، وہ بڑا رحیم ہے۔ اچھا لو! ایک اور حدیث سنو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسائے کے ساتھ حُسنِ سلوک کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا:

"جو شخص یہ پسند کرے کہ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت کریں تو اُسے اپنے ہمسایوں کا حق ادا کرنا چاہیے۔"

تہمینہ نے ماں کی گود سے سر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "امّی ہمارے اور بھی تو ہمسائے ہیں مگر آپ ان کے ساتھ اتنا سلوک نہیں کرتیں جتنا نزہت کے گھر والوں کے ساتھ کرتی ہیں"؟

امّی: بیٹی تہمینہ ایک تو یہ بات ہے کہ خدا کی مہربانی سے دوسرے ہمسایوں کو ہماری مدد کی اتنی ضرورت نہیں ہے اور پھر نزہت کا مکان ہمارے مکان سے بالکل ملا ہوا ہے۔ اس لیے ان کا زیادہ حق ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا۔" اے خدا کے رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلّم! میرے دو ہمسائے ہیں ایک کا دروازہ میرے سامنے ہے اور دوسرے کا دروازہ مجھ سے دور ہے بعض اوقات میرے پاس اس قدر چیزیں نہیں ہوتیں کہ دونوں کو دی جاسکیں، اس صورت میں دونوں میں سے وہ چیز کس کو بھیجی جائے؟" حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ جس کا دروازہ تمھارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔" تہمینہ بڑی اداس نظر آرہی تھی اسے اپنے کیے کا بڑا ملال تھا۔ امّی نے تہیّہ کر لیا تھا کہ وہ تہمینہ کو ہمسایوں کے بارے میں اتنا کچھ بتا دیں گی کہ وہ آئندہ کوئی غلطی نہ کر سکے۔

ایک اور روایت کے مطابق حضور پُرنور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک موقع پر فرمایا جانتے ہو کہ ہمسائے کا حق کیا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ ہی بہتر

جانتے ہیں۔ فرمایا سنو! ہمسائے کے حقوق یہ ہیں۔ اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اُسے قرض دو، اگر وہ ضرورت مند ہو تو اس کی ضرورت پوری کردو، اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، اس کی خوشی کے موقع پر اُسے مبارکباد دو، اور اگر اُسے کوئی غم ہو تو اس کی دلجوئی کرو، اس کی اجازت کے بغیر اپنے گھر کی دیوار بلند نہ کرو کہ اس سے گھر کی ہوا نہ رُک جائے۔ نئے پھل خریدو تو اسے بھی بھجواؤ اور اپنے بچّوں کو پھل ہاتھ میں لے کر باہر نہ جانے دو اس طرح اس کے بچّے پھل نہ ملنے پر غمزدہ ہوں گے، امّی نے دیکھا کہ تہمینہ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ انھوں نے بیٹی کو کلیجے سے لگالیا اور تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ چلو، چل کر نزہت سے معافی مانگ لو۔ وہ خوش ہو جائے گی، معاف کردے گی تو تمھاری شرمندگی دور ہو جائے گی۔

تہمینہ : (روتے ہوئے) آپ بھی چلیے میرے ساتھ ورنہ نزہت مجھے گھر میں داخل ہی نہ ہونے دے گی۔

امّی : (خوش ہو کر) چلو میں بھی چلتی ہوں۔ ہم دونوں مل کر نزہت کو منالیں گے۔

"تہمینہ اور اس کی امّی نے نزہت کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی امّی نے دروازہ کھولا۔

"اَلسّلام علیکم" تہمینہ کی امّی نے کہا۔

"وعلیکم السّلام" آئیے بہن آئیے، یہ دوپہر میں کیوں تکلیف کی آپ نے، مجھے بلالیا ہوتا میں حاضر ہو جاتی" نزہت کی امّی بولیں۔

"ایک ہی بات ہے" تہمینہ کی امّی بولیں، آپ آئیں یا میں آؤں کوئی فرق نہیں" نزہت کی امّی دونوں کو کمرے میں لے گئیں۔ تہمینہ کی امّی نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا "نزہت بیٹی کہاں ہے، نظر نہیں آ رہی؟" دوسرے کمرے میں ہے۔ جب سے اسکول سے آئی ہے رو رہی ہے، میں نے خوب ڈانٹا ہے اُسے، دیکھو بہن ایک صبح، سچی بات پر خواہ مخواہ اُلجھ پڑی تہمینہ بیٹی سے، مجھے اس کی زبان درازی کا بہت افسوس ہے، میں تو اُسے لے کر آ رہی تھی آپ کے پاس تاکہ وہ تہمینہ بی بی سے معافی مانگے۔ تہمینہ ان کی اس بات پر چیخ پڑی، نہیں خالہ جان نہیں، بھلا نزہت کیوں معافی مانگے مجھ سے، قصور میرا ہے۔ میں ان سے معافی مانگوں گی، یہ کہتے کہتے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور دوڑتی ہوئی نزہت کے پاس پہنچ گئی۔

نزہت اوندھے منہ بستر پر پڑی تھی اور روئے جا رہی تھی، یہ دیکھ کر تہمینہ بھی زور زور سے رونے لگی اور اس سے لپٹ گئی۔

"مجھے معاف کردو نزہت، میری بہن مجھے معاف کردو، مجھ سے غلطی ہوگئی ہے"

مشق

۱۔ تہمینہ کی امی کس وجہ سے ایک اچھی گھریلو خاتون ہیں؟

۲۔ تہمینہ اور نزہت کا آپس میں کیا رشتہ تھا؟

۳۔ تہمینہ نے نزہت کے بارے میں کیا کہا تھا؟

۴۔ امی کو تہمینہ کی بات کیوں بری لگی؟

۵۔ نزہت اور تہمینہ میں کس طرح ملاپ ہوا؟

۶۔ اگر دونوں مائیں اپنی اپنی بیٹیوں کی حمایت کرتیں تو کیا نتیجہ نکلتا؟

۷۔ اس سبق کی مدد سے ایک مضمون لکھیں جس کا عنوان ہو "پڑوسیوں کے حقوق"

۸۔ مندرجہ ذیل الفاظ پر اعراب لگائیے:
مکدّر، صدمہ، کوتاہی، سرزد، کھلے کھلے احکامات، ایذا، ملال، حسن سلوک، زبان درازی، آگ بگولہ، تہیہ کرلینا۔

۹۔ ذیل کے اسموں کے مؤنث یا مذکر تحریر کیجیے:
بوڑھا، دھوبی، کنجڑا، شیر، ڈومنی، تیلن، گھوسن، چڑیا، خالہ، گوالن، بیگم، لونڈی، استاد، پارسی، راجا، مالی، مہتر، ہاتھی، ابّا، دولھا، دیور، گنوار۔
اس سبق کے پہلے پیراگراف کے افعالِ ماضی کو افعالِ مستقبل میں تبدیل کرکے پیراگراف دوبارہ تحریر کیجیے:

۱۰۔ اس سبق کے پہلے پیراگراف میں جہاں جہاں فعلِ ماضی قریب یا ماضی مطلق آئے ہیں انھیں ماضی بعید میں تبدیل کرکے اپنی کاپی پر لکھیے۔

اِبتدائی طبّی اِمداد

چودہ اگست نزدیک تھی۔ اس موقع پر اسکولوں نے مختلف تقاریب کا اہتمام کیا تھا۔ ان میں بہت سے کھیلوں مثلاً تیراکی، لانگ جمپ، ہائی جمپ، ٹیبل ٹینس، کرکٹ، بیڈمنٹن اور چند دوسرے کھیلوں کے مقابلے بھی شامل تھے۔ اسکولوں کے درمیان جہاں ان مقابلوں میں حصّہ لینے والوں کی تربیت اور ٹیسٹ میچ کا انتظام ہوا وہاں لڑکوں ہی میں سے ایک ایسی امدادی پارٹی بھی تشکیل دی گئی جو ابتدائی طبّی امداد کا کورس پاس کر چکی تھی۔ آج انھی طالبِ علموں کا ٹیسٹ لیا جانا تھا۔ اس کے لیے منتخب اسکولوں کے کچھ اساتذہ پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے سامنے یہ ٹیسٹ لیا جانا تھا تاکہ وہ ان طالبِ علموں کے انتخاب کے بارے میں مطمئن ہو جائیں۔ ابتدائی طبّی امداد کی تربیت دینے والے استاد بھی موجود تھے تاکہ ان طالبِ علموں کا امتحان لے لیں۔ تمام طالب علم اور اساتذہ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو ٹرننگ دینے والے استاد اپنی نشست سے کھڑے ہوئے اور گفتگو کی ابتدا کی۔

اُستاد: جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں "طبّی امداد" کی پارٹی اس لیے تشکیل دی گئی ہے کہ اگر کھیلوں کے ان مقابلوں کے درمیان کسی کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو اس کو فوری مدد دی جا سکے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ طالب علموں ہی میں سے کوئی ایک وضاحت کے ساتھ یہ بتائے کہ ابتدائی طبّی امداد کسے کہتے ہیں؟

(تمام لڑکے جواب دینے کے لیے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں)

استاد: نہیں۔ ایسے نہیں۔ بلکہ ایک سرے سے جواب دینا شروع کریں اور میرے ہر سوال کے جواب میں ایک کے بعد دوسرا پھر تیسرا طالب علم جواب دیتا جائے۔ ہاں تو پہلا نمبر آپ کا ہے (جس طالب علم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے وہ کھڑا ہو کر جواب دینے لگتا ہے)

طالب علم: جناب! اگر کسی شخص کو کوئی حادثہ پیش آ جائے مثلاً چوٹ لگ جائے، نکسیر پھوٹ جائے، سانپ ڈس لے، پانی میں ڈوبنے یا کسی سبب سے دم گھٹ جانے سے بیہوش ہو جائے ایسی صورت میں ڈاکٹر یا ہسپتال تک لے جانے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے جس سے مریض کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

چوٹ لگنے سے ڈاکٹر تک پہنچانے کے درمیانی وقفے میں کیا جانے والا فوری علاج "فرسٹ ایڈ یا ابتدائی طبّی امداد" کہلاتا ہے۔

اُستاد :- شاباش! بیٹھ جائیے۔ (دوسرے طالب علم کی طرف اشارہ کرکے) آپ ذرا یہ بتائیے کہ اگر کسی کو چوٹ لگ جائے اور خون زیادہ بہنے لگے تو ایسی صورت میں فوری علاج کیا ہوگا؟۔

طالب علم :- (کھڑے ہوکر) جناب! سب سے پہلے ہم بہتے ہوئے خون کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ اگر خون مسلسل بہتا رہا تو کمزوری بڑھتی چلی جائے گی اور مریض یا زخمی کی زندگی کو خطرہ ہوگا۔ ہم سب سے پہلے روئی یا کپڑے کی گدی سی بناکر خون بہنے کی جگہ رکھ کر پٹی باندھ دیں گے۔ اگر روئی یا کپڑا موجود نہ ہو تو فوراً ہتھیلی کو زخم پر لگاکر بہتے خون کو روکنا ہوگا۔ ہتھیلی کا دباؤ زخم کے عین اوپر نہیں بلکہ اس کے اِرد گرد کی جگہ پر رکھنا ہوگا۔

استاد :- بالکل ٹھیک۔ لیکن فرض کیجیے کسی چوٹ یا زخم کے بغیر خون بہنے لگے۔ مثال کے طور پر نکسیر پھوٹ جائے تو کیا ایسی صورت میں بھی خون بند کرنے کا یہی طریقہ ہوگا؟۔

طالب علم :- نہیں جناب۔ اس کے لیے دوسرا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے ایسے شخص کو ہوا کے رُخ پر بٹھائیں گے تاکہ اس کو تیز ہوا لگ سکے۔ اس کا سر پیچھے کی طرف جھکا دیں گے اور بازو اوپر اٹھا دیں گے۔ پھر ٹھنڈے پانی میں کپڑا بھگو بھگو کر اس کی ناک اور گردن پر رکھیں گے۔ ناک میں روئی لگا دی جائے گی اور اُسے ناک کی بجائے منہ سے سانس لینے کو کہا جائے گا۔

استاد :- صحیح ہے۔ (اگلے طالب علم کی طرف اشارہ کرکے) آپ ذرا یہ بتائیں اگر کھیلتے کودتے یا چلتے پھرتے پاؤں میں موچ آجائے تو آپ کیا کریں گے؟۔

طالب علم :- جناب۔ موچ آجانے کی صورت میں پاؤں یا جوتے کے نیچے رومال رکھ کر جس جانب پاؤں مڑا ہے اس سے دوسری طرف اُسے موڑ کر پاؤں کا تلوا اوپر کی جانب اٹھائیں گے اور اُسے باندھ دیں گے۔ پاؤں کو زور سے جھٹکا دینے کی ضرورت نہیں۔ گھر پہنچ کر جوتے موزے اُتار کر پاؤں کو گرم پانی سے ٹکوریں گے۔ پھر اوپر سے کپڑا باندھ دیں گے۔ چلنے پھرنے سے منع کر دیں گے۔ یہاں تک کہ اچھی طرح آرام آجائے

اُستاد :- درست ہے (اگلے طالب علم سے مخاطب ہوکر) آپ یہ بتائیے کہ اگر ہاتھ یا پاؤں سے خون بہ رہا ہو تو آپ کیا کریں گے؟۔

طالب علم :- سب سے پہلے ہم ایسے شخص کو فوراً سیدھا کرکے لٹا دیں گے۔ ہاتھ یا پاؤں سے خون بہ رہا ہو تو اُسے یکدم اوپر کر دیں گے۔ اگر کہیں خون جم گیا ہے تو زبردستی کھرچ کر ہٹانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ

اس سے زخمی کو مزید تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ البتہ زخم پر صاف ستھرے کپڑے کی پٹی باندھ دی جائے گی تاکہ کسی قسم کی گندگی یا مٹی وغیرہ زخم کے اندر داخل نہ ہو اور مکھیاں نہ بیٹھیں کیونکہ اس سے زخم سڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور باقی جسم کو اس کے اثرات سے بچانے کے لیے اس حصّے کو کاٹ کر الگ کرنا پڑجاتا ہے ۔

اُستاد :۔ اچھا اب ذرا اگلا طالب علم یہ بتائے کہ اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو کیا ایسی صورت میں بھی کوئی فوری طبّی امداد دی جاسکتی ہے ؟ ۔

طالب علم :۔ جی ہاں جناب ۔ اگر جسم کے کسی حصّے کی ہڈی ٹوٹ جائے تو جہاں تک ممکن ہو نہایت آرام کے ساتھ اس عضو کو سیدھا کیا جائے ۔ اب ایک ہاتھ سے نیچے کی طرف سے اور دوسرے ہاتھ سے اوپر کی طرف سے اس عضو کو تھام کر ، ذرا جھٹکے سے ہڈی کو سیدھا کیا جائے پھر اس عضو کے ساتھ اوپر سے نیچے تک لکڑی کی ایک پٹی باندھ دی جائے ۔ اگر ٹانگ کی کوئی ہڈی ٹوٹی ہو اور فوری طور پر کوئی لکڑی موجود نہ ہو تو اُسے دوسری ٹانگ کے ساتھ باندھ دیا جائے ۔ اگر کلائی یا بازو کی ہڈی ٹوٹی ہو تو اس ٹوٹے ہوئے حصّے پر لکڑی کی کھپچیاں باندھ کر ہاتھ کو کپڑے کی جھولی میں رکھ دیں ۔

اُستاد :۔ ٹھیک ہے ۔ (ایک اور طالب علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اگر کسی سبب سے بیہوشی طاری ہوجائے تو ابتدائی امداد کے تحت اس کا کیا علاج کیا جائے گا ؟

طالب علم :۔ سر! پہلی بات تو یہ کہ بیہوشی کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں ۔ سر پر چوٹ لگ جائے ، زیادہ خون بہ جائے ، دل کی کمزوری ، ناقابل برداشت گھٹن یا گرمی ، مرگی ، یا نشہ آور اشیاء کا استعمال ان سب کی وجہ سے بیہوشی طاری ہوسکتی ہے ۔ ایسی صورت میں بیہوش ہو جانے والے شخص کو گرنے سے بچایا جائے ۔ خون بہ رہا ہو تو اس کے روکنے کی تدبیر کی جائے ۔ اسے اس طرح لٹایا جائے کہ سانس لینے میں رکاوٹ نہ ہو ۔ گردن اور سینے میں گھٹن محسوس ہو تو کپڑے الگ کر دیے جائیں ۔

تازہ ہوا کی آمدورفت کا انتظام کریں ۔ اِرد گرد کھڑے لوگوں کو ہٹا دیں ۔ دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں ۔ اگر سانس نہ لیا جارہا ہو تو مصنوعی سانس دلانے کا انتظام کریں ۔ اسے گرم رکھیں اور اور پسینہ آئے تو خشک کرتے رہیں ۔ ذرا آرام آجانے پر منہ پر پانی کے چھینٹے دیں یا آکسیجن دیں ۔ مِرگی کی صورت میں مریض کو نہ صرف گرنے سے بچائیں بلکہ اس کے دانتوں کے درمیان رومال رکھ دیں تاکہ زبان دانتوں میں نہ آجائے ۔

اُستاد :۔ بالکل صحیح ہے ۔ لیکن ذرا یہ اور بتادیں کہ ڈوبنے کی صورت میں کیا علاج ضروری ہے ؟

طالب علم :۔ اگر کوئی شخص اتفاقاً یا حادثاتی طور پر ڈوبنے لگے تو اُسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ پانی سے اوپر نہ اٹھائے ورنہ جلدی ڈوب جائے گا ۔ اس کے بجائے اپنے ہاتھ جسم کے ساتھ سیدھے رکھے اور پیٹھ کے بل پانی پر خود کو چھوڑ دے اپنے سر کو پانی سے باہر نکال کر بڑے بڑے سانس لے تاکہ پھیپھڑے ہوا سے بھر جائیں ۔ لیکن اکثر اوقات ڈوبنے والا ایسا بدحواس ہوتا ہے کہ اسے کوئی احتیاطی تدبیر یاد نہیں آتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ڈوبنے کے باعث اس کے پھیپھڑوں میں پانی بھر جاتا ہے اور تازہ ہوا نہ ملنے کی وجہ سے پانچ منٹ بھی زندہ رہنا مشکل ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں فوری علاج کے لیے دو باتیں ضروری ہیں ۔

اُستاد : بس ۔ آپ بیٹھیں ۔ دوسرا طالب علم بتائے کہ وہ دو باتیں کیا ہیں ؟

طالب علم :۔ جناب ! پہلی ضروری بات یہ ہے کہ فوری طور سے اس کے پھیپھڑوں سے پانی نکالا جائے ۔ دوسرے یہ کہ جب تک وہ خود سانس لینے کے قابل نہ ہو، اسے مصنوعی طور پر سانس دلا کر زندہ رکھا جائے ۔

اُستاد :۔ مصنوعی سانس دلانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے ؟

طالب علم :۔ اس شخص کی قمیص اتار کر، اسے لپیٹ کر نیچے رکھیں ۔ اس شخص کو اوندھا کر کے اس کا سینہ اس قمیص کے اوپر رکھیں ۔ اس کا منہ ایک جانب پھیر دیں ۔ پھر بائیں جانب سے منہ اوپر کریں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں ، پھر دونوں ہاتھ اس کی کمر کے بیچ کے حصے پر رکھیں اب اپنے بدن کا سارا زور ہاتھوں پر ڈالیں تاکہ اس کی کمر پر زور پڑے اور پھیپھڑوں کا پانی باہر نکلے ۔ تین سیکنڈ تک زور دے کر پیچھے ہٹ جائیں ۔ پھر دوبارہ اسی طرح کریں ۔ ایک منٹ میں پندرہ بار اسی طرح کریں ۔ کبھی کبھی بیہوش شخص تین چار گھنٹوں کی مسلسل کوشش کے بعد جا کر ہوش میں آتا ہے ۔ اس لیے مایوس نہیں ہونا چاہیے ۔ اگر وہ خود سانس لینے کی کوشش کرے تو تھوڑا رک کر دیکھ لیں ۔ ورنہ اپنا کام جاری رکھیں حتّٰی کہ پوری طرح سانس لینے لگے ۔ اس کے بعد گیلے کپڑے اتار کر گرم کپڑے پہنا دیں ۔

اُستاد :۔ ٹھیک ہے ۔ اب آپ میں سے کوئی یہ بتائے کہ اگر پاگل کتّا کاٹ لے تو کیا کیا جائے ؟ ۔

طالب علم :۔ جناب ! کتّے کے کاٹنے کا یا اس کے لُعاب کا اثر تیزی سے سرائیت نہیں کرتا لہٰذا مریض کو اسپتال پہنچا کر انجکشن کے ذریعہ بآسانی علاج کیا جا سکتا ہے ۔ فوری طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ زخم کو پانی یا لوشن سے دھو کر صاف کریں پھر کاربالک ایسڈ میں روئی بھگو کر زخم پر رکھ دیں ۔ اگر کاربالک ایسڈ نہ ملے تو کوئی لوہا وغیرہ گرم کر کے اُس سے زخم کی جگہ کو داغ دیں ۔

اُستاد :۔ اچھا ۔ یہ تو درست ہے ۔ لیکن اگر سانپ کاٹ لے تو کیا کریں گے ؟

طالبِ علم :۔ جناب! سانپ کا زہر چونکہ تیزی سے سرائیت کرتا ہے لہٰذا فوری توجہ دینی ضروری ہے تاکہ زہر کا اثر دل تک نہ پہنچ سکے۔ اس کے لیے اوّل کاٹنے کی جگہ سے ذرا اوپر کس کر پٹی باندھ دیں پھر اس سے ذرا اوپر۔ اور پھر اس سے کچھ اور اوپر کس کس کر پٹیاں باندھ دیں۔ اب کاٹنے کی جگہ پر ½ ۲ س۔م کے قریب بڑا اور گہرا چیرا لگائیں تاکہ زہر باہر نکل جائے۔ اس کے بعد کٹے ہوئے پوٹاشیم پرمینگنیٹ کو زخم میں بھر دیں۔ لیکن اس پر پٹی یا روئی وغیرہ نہ باندھیں۔ خون کے بہنے کا خیال نہ کریں۔ مریض کو جتنی جلد ممکن ہو اسپتال پہنچا دیں۔

اُستاد :۔ اچھا اب آپ سب طلبہ جا سکتے ہیں۔ نتیجے سے آپ کو بعد میں مطلع کر دیا جائے گا۔

(تمام طالبِ علم کمرے سے باہر چلے جاتے ہیں۔ پھر استاد صاحب وہاں موجود اساتذہ سے مخاطب ہوتے ہیں)

کیا خیال ہے آپ حضرات کا۔ کیا ان طلبہ کے انتخاب کے بارے میں کسی کو کوئی اعتراض ہے؟

تمام اساتذہ :۔ (ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ سبھی مطمئن ہو کر سر ہلا دیتے ہیں۔ پھر اُن میں سے ایک جواب دیتے ہیں)

ہمارے خیال میں اس ابتدائی طبّی امداد کی پارٹی میں شامل ہر طالب علم کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے۔ ہم اس انتخاب سے بالکل مطمئن ہیں۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

ٹریننگ کے اُستاد :۔ شکریہ! آپ کی طرف سے مجھے اسی جواب کی تَوَقُّع تھی۔ بہت بہت شکریہ۔

مشق

۱۔ اسکولوں میں ۱۴ اگست کے موقع پر طبّی امداد کی پارٹی کیوں مقرر کی گئی تھی ؟
۲۔ ابتدائی طبّی امداد سے کیا مراد ہے، اپنے لفظوں میں بیان کیجیے ؟
۳۔ اگر کسی کے چوٹ لگ جائے اور خون بہنے لگے تو ہمیں سب سے پہلے کیا کرنا چاہیے ؟
۴۔ اگر کسی کی نکسیر پھوٹ جائے تو اسے ابتدائی طبّی امداد کس طرح دی جائے گی ؟
۵۔ پاؤں میں موچ آجانے کی صورت میں کیا کیا جانا چاہیے ؟
۶۔ اگر کسی کے کُتا کاٹ لے تو اُسے کس طرح ابتدائی طبّی امداد پہنچانی چاہیے ؟
۷۔ اگر کسی کے سانپ ڈس لے تو مریض کو کس طرح ابتدائی طبّی امداد دی جا سکتی ہے ؟
۸۔ اگر کسی کی ہڈی ٹوٹ جائے تو کیا کرنا چاہیے ؟

رموزِ اوقاف :۔

رموزِ اوقاف سے مراد وہ علامتیں ہیں جو تحریری فقروں میں ان کے درمیان لکھی جاتی ہیں۔ اُن سے جملوں کی تقسیم ہو جاتی ہے اور صحیح مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ ذیل میں چند رموزِ اوقاف بتائے جاتے ہیں :۔

سکتہ :۔ (،) .... COMMA

وقفہ تام :۔ (۔) .... FULL STOP

سوالیہ :۔ (؟) .... MARK OF INTERROGATION

سکتہ :۔ یہ سب سے چھوٹے ٹھہراؤ کی علامت ہے اور کثرت سے استعمال کی جاتی ہے۔ خاص طور پر اگر جملے میں ایک ہی قسم کے تین یا اس سے زیادہ کلمے آجائیں تو پہلے دو یا تین کے درمیان لگاتے ہیں۔ مثلاً، کتاب، کاغذ، قلم، دوات اور پنسل لو۔

بعض دفعہ جملے کے چھوٹے ٹکڑے کی تشریح کی غرض سے بھی لگاتے ہیں مثلاً:

دس میٹر چوڑا، پندرہ میٹر لمبا اور چار میٹر اُونچا کمرا۔

بعض دفعہ مرکب جملے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً، چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب،

عورت ہو یا مرد، بوڑھا ہو یا جوان، اس اصول کی پابندی سب کے لیے ضروری ہے۔

۹۔ اب آپ مندرجہ ذیل عبارت میں مناسب جگہ پر "سکتہ" لگائیے:۔

و اسٹیڈیم میں تمام شائقین جن میں مرد عورتیں بوڑھے جوان بچے بچیاں امیر غریب غرض کہ سبھی بڑے جوش وخروش سے میچ دیکھ رہے تھے۔

و ہمارے اسکول کے میدان میں سلامی کا چبوترہ پانچ میٹر چوڑا دس میٹر لمبا اور ایک میٹر اونچا ہے۔

و نماز ہمیں اخوت و مساوات نظم و ضبط کا درس دیتی ہے۔ نماز کی صفوں میں امیر ہو یا غریب بادشاہ ہو یا فقیر چھوٹا ہو یا بڑا کالا ہو یا گورا کوئی فرق جائز نہیں۔

مُحسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

(مندرجہ ذیل اشعار اُردو کے مشہور قومی شاعر خواجہ الطاف حسین حالیؔ کی ایک طویل نظم "مدّ و جزرِ اسلام" سے لیے گئے ہیں اس نظم کو "مُسدّسِ حالی" بھی کہتے ہیں۔ اِن اشعار میں اُنھوں نے رسولِ پاکؐ کے تبلیغِ اسلام کے انداز کو پیش کیا ہے)

اُسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم
اُسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم
اُسی کی طلب میں مرو گر مرو تم
مُبّرا ہے شرکت سے اُس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کو بڑائی

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لایق
زبان اور دِل کی شہادت کے لایق
اُسی کے ہیں فرماں اِطاعت کے لایق
اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لایق
لگاؤ تو لَو اُس سے اپنی لگاؤ
جُھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

ڈرایا تعصّب سے اُن کو یہ کہہ کر
کہ زندہ رہا اور مرا جو اِسی پر
ہُوا وہ ہماری جماعت سے باہر
وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اُس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اس محبّت کو بہرہ
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا
غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی
کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تاکہ لو اس سے اپنی پرائی
نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی
طلب سے ہے دُنیا کی گر، یاں یہ نیّت
تو چمکو گے واں ماہِ کامل کی صورت
کہیں حفظِ صحّت کے آئیں سکھائے
سفر کے کہیں شوق اُن کو دلائے
مفاد ان کو سوداگری کے سُجھائے
اصول اُن کو فرماں دِہی کے بتائے
نشاں راہِ منزل کا اِک اِک دکھایا
بنی نوع کا اُن کو رہبر بنایا

خواجہ الطاف حسین حالی

مشق

۱۔ شاعر نے توحید، اللہ پر بھروسا، تعصّب اور محنت کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اُسے تفصیل سے لکھیے۔

۲۔ پہلے تین بندوں کا مطلب لکھیے۔

۳۔ اعراب لگائیے:

غضب ۔ مبرا ۔ تعصب ۔ نیت ۔ ماہِ کامل ۔ حفظ صحت ۔ مفاد ۔ فرماں دہی ۔ راہ منزل ۔ بنی نوع ۔

۴۔ قواعد کی رُو سے مندرجہ ذیل الفاظ کیا ہیں؟

حالی ، تعَصُّب ، تم ، محنت ، سکھائے ، کامل

۵۔ آپ درجِ ذیل عبارت میں مناسب مقام پر سکتہ لگائیے:

جب کبھی انور کو جماعت کی کسی چیز کی ضرورت پڑی اکرم نے دِل کھول کر مدد کی ۔ اُدھر اُس نے اشارہ کیا اِدھر اِس نے اُس چیز کا انتظام کیا۔ انور نے قلم مانگا تو سیاہی کی دوات بھی ساتھ دی ۔ کتاب مانگی تو جِلد بھی بنوا کر دی ۔ اسکول کی فیس اکرم نے بھری کتابوں کا خرچ اکرم نے اٹھایا سواری کے لیے پیسے ہر ماہ اکرم نے بھرے خود پڑھاتا اسکول کا کام چیک کرتا غرض کہ ہر طرح سے اس کی مدد کرتا مگر انور نے پڑھ کر نہیں دیا۔

آدابِ گفتگو

نہ کچھ دے ہے کویل نہ چھینے ہے کوّا
مگر میٹھی آواز کے سب ہیں شیدا

یہ بالکل صحیح اور سچی بات ہے کہ کوّے کی تیز اور کرخت آواز کانوں کو سخت ناگوار گزرتی ہے۔ جب بھی دیوار کی منڈیر پر کوّا بیٹھا، کائیں کائیں کرتا ہے، اس کی طرف ڈھیلے پھینکے جاتے ہیں تاکہ وہ اُڑ جائے اور اس کی چبھتی ہوئی آواز سے چھٹکارا ملے۔ مگر کویل کی کُوکُو کی بات ہی کچھ اور ہے، اتنی شیریں، سُہانی اور پُرکیف ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ اس کی آواز سُنتے ہی رہو۔ دونوں پرندوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے، کویل کوّے سے خوب صورت نہیں ہے صرف آواز کی نرمی اور مٹھاس کی وجہ سے اسے پسند کیا جاتا ہے۔

انسانی آوازوں کا بھی کم و بیش یہی حال ہے، بعض لوگ تیز اور اونچی آواز میں چیخ چیخ کر باتیں کرتے ہیں، موقع محل کا خیال نہیں رکھتے۔ جس سے گفتگو کرتے ہیں، اس کا لحاظ نہیں کرتے۔ بولتے ہیں تو بولتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ آدابِ گفتگو سے یک سر بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ان کی بات چیت میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ اس لیے کوئی ان کی باتوں پر توجّہ نہیں دیتا بلکہ لوگ ان کی صحبت سے کتراتے ہیں۔

لیکن بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی گفتگو سُلجھی ہوئی اور پسندیدہ ہوتی ہے۔ وہ دِھیمی، نرم اور ہلکی آواز میں بات کرتے ہیں۔ ٹھہر ٹھہر کر بولتے اور ایک ایک لفظ کو خوب صورتی سے ادا کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو بڑی دِل نشیں ہوتی ہے۔ ان کی باتوں میں جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔ لوگ ان کی صحبت کے مُنتظِر اور ان کی قُربت کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔ ان کی باتوں کو نہایت شوق اور دلچسپی سے سُنتے ہیں اور ان سے مُتأثّر ہوتے ہیں۔

جس طرح اور باتوں کے آداب، طور طریقے، اُصول و قوانین ہوتے ہیں۔ اُسی طرح بات چیت اور گفتگو کے بھی کچھ آداب اور اُصول ہیں، جن کی پابندی ضروری ہے۔ آدابِ گفتگو سے ناواقفیت کی بناء پر لوگ

ایک دوسرے کی صُحبت سے گھبراتے ہیں، میل ملاپ سے کتراتے ہیں اور اس طرح انسانی معاشرہ یک جہتی، پیار اور محبّت جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اخوّت اور محبّت وہ نعمتِ خداوندی ہے کہ جس کو حاصل کرنے اور قائم رکھنے کی تلقین حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے بار بار فرمائی ہے۔ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی زندگی مسلمانوں کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے۔ بات چاہے معمولی ہو یا اہم، سب ہی کی مثالیں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی حیاتِ طیبہ میں موجود ہیں، گفتگو میں حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم جن باتوں کو ضروری خیال فرماتے تھے وہی بات چیت کرنے کے اُصول اور گفتگو کے آداب ہیں۔ مسلمانوں کی طرزِ گفتگو ایسی ہی ہونی چاہیے جیسی کہ ہادیٔ برحق صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی تھی۔ آپؐ نے جو کچھ کیا ہماری ہدایت کے لیے کیا ہے تاکہ ہم سمجھیں، پیروی کریں اور فلاح پائیں۔

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو "اَفْصَحُ الْعَرَب" کہا جاتا ہے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی گفتگو کا جہاں اَدَبی معیار بہت بلند تھا وہاں اس میں عام فہم سادگی بھی تھی اور پھر کمال یہ ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے کبھی کوئی گھٹیا لفظ استعمال نہیں کیا۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم ہمیشہ یادِ خدا اور غور و فکر میں مصروف رہتے، زیادہ تر خاموش رہتے، بلاضرورت بات چیت نہ کرتے۔ لیکن تبلیغِ اسلام کی خاطر لوگوں سے بات کرتے تو خوب گھُل مِل کر بات کرتے سنجیدگی کی جگہ سنجیدگی اختیار فرماتے اور خوش مزاجی کی جگہ خوش مزاجی کا اظہار فرماتے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم جب محفل میں بیٹھے ہوتے تو دوسروں کی گفتگو میں دلچسپی لیتے۔ جس موضوع پر بات چیت ہو رہی ہوتی اس میں شرکت فرماتے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم اپنی اہمیت جتانے کے لیے کبھی موضوع کو بدلنے کی کوشش نہ فرماتے۔

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ جب ہم دنیوی مُعاملات کا ذکر کر رہے ہوتے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم بھی اس ذکر میں حِصّہ لیتے۔ جب ہم آخرت پر گفتگو کرتے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم بھی ہمارے ساتھ اس موضوع پر تکلّم فرماتے اور جب ہم کھانے پینے کی کوئی بات چھیڑتے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم بھی اس میں شامل رہتے۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم گفتگو کرتے وقت الفاظ اتنے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے، خاص خاص باتوں کو دہراتے تاکہ سُننے والے آسانی سے یاد کرلیں۔ الفاظ نہ ضرورت سے کم ہوتے نہ زیادہ، گفتگو نہ مختصر ہوتی نہ طویل۔ ناپسندیدہ باتوں سے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو نفرت تھی۔ گفتگو میں عام طور سے ایک مُسکراہٹ

شامل رہتی۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معنی ادا فرمانے میں اپنی مثال آپ تھے۔

ان تمام باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گفتگو پاکیزہ اور صاف ستھری ہونی چاہیے۔ زبان آسان اور عام فہم ہو۔ بات چیت کے دوران ثقیل اور مشکل الفاظ استعمال نہ کیے جائیں تاکہ سننے والا بات آسانی سے سمجھ جائے۔

گفتگو میں فحش اور گھٹیا الفاظ استعمال کرنا اپنی بڑائی جتانے کے لیے مشکل الفاظ بولنا آدابِ گفتگو کے خلاف ہے۔

محفل میں جس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہو اس میں شرکت کرنا چاہیے۔ موضوع کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرنے کی کوشش کرنا مناسب نہیں اس سے بات چیت میں بے لطفی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اپنی بات منوانا یا اپنے خیالات دوسروں پر تھوپنا سخت نامناسب ہے۔ جب رائے پوچھی جائے یا مشورہ طلب کیا جائے تو مناسب الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیے از خود نہیں بولنا چاہیے۔ لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے۔

جب کوئی بات کر رہا ہو تو بیچ میں بولنا، بات کاٹنا یا اچانک اپنی بات شروع کر دینا خلافِ ادب ہے۔ اگر درمیان میں بولنے کی ایسی ہی ضرورت پیش آجائے تو معذرت کر کے یا اجازت لے کر بات کرنی چاہیے ورنہ اس وقت تک خاموش رہنا چاہیے جب تک دوسرے کی بات پوری نہ ہو جائے۔ اگر بہت سے لوگ ایک ساتھ بولنے لگیں گے تو شور غل ہوگا اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔

تیز اور اونچی آواز میں بات کرنا یا چیخ چیخ کر بولنا سخت ناپسندیدہ عادت ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ اپنے سے چھوٹوں سے بات کرتے وقت نرمی اور شفقت کا لہجہ اختیار کرنا چاہیے اور بڑوں سے گفتگو کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ ہونے دیں بلکہ دھیمی اور نیچی آواز میں گفتگو کریں۔

غم اور غصہ کا اظہار کرتے وقت بھی آواز پر قابو رکھنا ضروری ہے۔ سخت اور تیز آواز کسی بھی حالت میں گوارا نہیں ہوتی۔ اسی طرح بات کو زیادہ طول دینا بھی آدابِ گفتگو کے خلاف ہے۔ بات ضروری ہو، اچھی ہو، خوشگوار ہو اور مختصر ہو۔ سر سید احمد خان نے کیا خوب کہا ہے "بات ایسی ہو جو دِل سے نکلے اور دِل میں بیٹھے۔" اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہنے والا آدابِ گفتگو سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو۔

مشق

۱۔ کوّے کے مقابلے میں کویل کو کیوں پسند کیا جاتا ہے؟
۲۔ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کس طرح گفتگو فرماتے تھے؟
۳۔ گفتگو کرتے وقت کن کن باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے؟
۴۔ دوسروں کی گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟
۵۔ موسمِ گرما بہتر ہے یا موسمِ سرما اس موضوع پر دو دوستوں کی گفتگو تحریر کیجیے۔
۶۔ اس سبق میں ایک لفظ ہے "آداب" جو ادب کی جمع ہے اس طرح مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع بنائیے
فوج ، خبر ، نہر ، موج ، طور۔
۷۔ اس سبق کے پہلے دو پیراگرافوں میں جو فعل حال ہیں انھیں فعلِ ماضی بعید میں لکھیے۔

ڈائری کا ایک ورق

۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ۔ آج کا دن خاصا مصروف گزارا۔ حسبِ معمول صبح سویرے سو کر اٹھا۔ والد صاحب کے ہمراہ نماز کو گیا۔ واپس آکر غسل کیا پھر ناشتا کر کے اسکول روانہ ہوا۔ آج بستے کے بغیر اسکول جانا تھا۔ کیونکہ وہاں پڑھائی کی بجائے سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جلسے کی تیاری کرنی تھی۔

تلاوت، دعا اور قومی ترانے کے بعد تمام طلبہ اپنی اپنی جماعتوں میں جا بیٹھے اور ہر جماعت نے شام کے کام کی تیاری شروع کر دی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق ہر جماعت کے ایک ایک مقرر اور ایک ایک نعت خواں کو جلسے میں شرکت کرنی تھی۔ ہال میں اپنی نشستوں کے قریب دیوار پر آویزاں کرنے کے لیے ایک پردہ تیار کرنا تھا، جس پر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیثِ مبارک لکھی ہو۔ جلسے کا انتظام کرنے اور مہمانوں کا استقبال کرنے کے لیے ہر جماعت سے تین تین رضا کار لیے جانے تھے۔

استاد صاحب نے سب سے پہلے تین رضاکار منتخب کر کے نائب ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس بھیج دیے پھر جن طلبہ کو نعت خوانی اور تقریری مقابلے میں حصہ لینا تھا۔ ان کو مشق کرائی۔ محمد اقبال نے اپنی یاد کی ہوئی تقریر اور عبداللہ نے ظفر علی خاں کی نعت سنائی۔

"وہ شمع اُجالا جس نے کیا، چالیس برس تک غاروں میں

برابر کے کمروں سے بھی نعت خوانی کی آوازیں آرہی تھیں۔ پردے کی تیاری کا کام سلیم، افضل اور بدرالدین کے سپرد تھا۔ سلیم کا خط بہت عمدہ تھا۔ اس لیے حدیث شریف اسے لکھنی تھی، افضل کو حاشیے پر خوبصورت بیل بوٹے بنانے تھے۔ سلائی کا کام بدرالدین کو کرنا تھا۔ جب ان لوگوں نے اپنا تیار کردہ پردہ جماعت کے سامنے پھیلایا تو ہر لڑکے کے منہ سے بے ساختہ واہ واہ نکلی۔ کچھ دیر بعد اسکول کا چپراسی نائب ہیڈ ماسٹر صاحب کا پیغام لایا کہ ہر جماعت سے دو دو لڑکے ہال سجانے کے لیے بھیج دیے جائیں۔ اس کام کے لیے استاد صاحب نے مجھے اور عبدالغنی کو منتخب کیا۔ ہم دونوں ہال میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں رنگ برنگی جھنڈیاں لگی ہوئی سُتلی موجود تھی جو ہال میں باندھنی تھی میں دوپہر تک اس کام میں مصروف رہا جھنڈیوں

کے ساتھ ساتھ ہال کو بجلی کے چھوٹے چھوٹے رنگین قمقموں سے بھی سجایا جارہا تھا۔ یہ کام بجلی والے کررہے تھے۔

ظہر کے وقت تمام کارکنوں کو گھر جانے کی اجازت دے دی گئی اور ہدایت کردی گئی کہ عصر کے فوراً بعد آکر ہال میں اپنی اپنی نشستوں پر آبیٹھیں۔ میں نے گھر آکر کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کرنے لیٹ گیا۔ آنکھ کھلی تو عصر کی اذان ہورہی تھی۔ میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لیا اور اسکول کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسکول کے قریب مسجد میں نماز پڑھی اور پھر دونوں بھائی ہال میں جا بیٹھے۔ اسکول کے اور لڑکے بھی اپنے چھوٹے بھائیوں کو ہمراہ لائے تھے۔ ہمارے پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اساتذہ اور ہیڈ ماسٹر صاحب نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اسٹیج پر رکھی ہوئی صدر کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ تمام اساتذہ بھی ان کے دائیں بائیں رکھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ہمارے دینیات کے استاد صاحب نے لاؤڈ اسپیکر والے کو اشارہ کیا اور اس نے ہیڈ ماسٹر صاحب کی میز کے دائیں اور بائیں ایک ایک مائیکروفون لاکر رکھ دیا۔

اب دینیات کے استاد صاحب اٹھ کر داہنی جانب والے مائیکروفون پر آئے اور جلسے کے آغاز کا اعلان کرتے ہوئے دسویں جماعت کے ایک طالب علم کو تلاوت کے لیے پکارا۔ جلسے میں حصہ لینے والے طلبہ کی نشستیں اسٹیج کے دونوں جانب تھیں۔ وہ طالبِ علم داہنی جانب سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا، مائک کے سامنے پہنچ گیا۔ جلسے کے تمام شرکاء مؤدّب ہوکر بیٹھ گئے اور ہال پر مکمل سکوت طاری ہوگیا۔ قرأت شروع ہوئی۔ اس طالبِ علم کی آواز اور ادائگی اتنی عمدہ تھی کہ ہر شخص بے خودی میں جھومتا ہوا نظر آرہا تھا۔ قرأت ختم ہوئی تو جماعت وار تقریری مقابلہ شروع ہوا۔ تین اساتذہ تقریری مقابلے کے لیے اور تین نعت خوانی کے مقابلے کے مُنصِف مُقرَّر ہوئے۔ ہر تقریر کے بعد ایک نعت پیش کی گئی۔

ہال میں کھڑے ہوئے رضا کار مجمع پر عرقِ گلاب چھڑک رہے تھے جس کی خوشبو سے سارا ہال مہک اُٹھا تھا۔ رنگ برنگی جھنڈیاں اور احادیث لکھے ہوئے خوب صورت پردوں نے ہال کی شکل ہی بدل دی تھی۔ آج طلبہ بھی بڑے اہتمام سے سفید کپڑے پہن کر آئے تھے۔ نعت خواں جب عقیدت ومحبت سے نعت پڑھتے تو مجمع سبحان اللہ، سبحان اللہ کے تعریفی کلمات سے ان کا دل بڑھاتا۔ ہماری جماعت کے طالب علم کی نعت کو بھی مجمع نے بہت ہی پسند کیا۔ ابھی تقریری مقابلے کا آخری شریک تقریر کررہا تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ استادِ محترم نے نماز کے وقفے کا اعلان کیا اور سارے کا سارا مجمع نماز کے لیے قریب کی مسجد میں جا پہنچا۔

وقفے کے بعد واپس آکر دیکھا تو بتیاں روشن ہوجانے کے باعث ہال کی خوبصورتی میں چار چاند لگ گئے تھے۔ جلسے کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ طلبہ کے بعد اساتذہ نے اپنی تقاریر میں سیرت پاک صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم پر روشنی ڈالی اور نصیحت کی کہ ہمیں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا چاہیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ پابندی اور شوق سے کرنے چاہییں، اسی میں ہماری دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔

اساتذہ کی تقاریر کے دوران مُنصِفین نے اپنا فیصلہ مُرَتَّب کر کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ اب دینیات کے استاد صاحب نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے درخواست کی کہ وہ کامیاب طلبہ کو انعامات عطا کریں۔

انعام میں دی جانے والی کتب خوبصورت کاغذوں میں لپٹی ہوئی ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے میز پر رکھی تھیں۔ تمام شرکاء کی نظریں ان کتابوں پر لگی تھیں اور کان ہیڈ ماسٹر صاحب کی آواز پر۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے مقابلے میں اول دوم اور سوم آنے والے مُقَرِّر اور نعت خواں طلبہ کے ناموں کا اعلان کیا۔ پھر ایک ایک کر کے انھیں انعامات دیے۔ جن طلبہ کو انعام ملا۔ ان کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ چہرے گلاب کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ میری جماعت کے نعت خواں طالب علم کو دوسرا انعام ملا تو ہماری جماعت کے طلبہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جو طلبہ انعام سے محروم رہے تھے انھیں بھی ہمت افزائی کے طور پر جلسے میں شرکت کے سرٹیفکیٹ ملے۔ اس کے بعد مُنتَظِم طلبہ کو حسنِ انتظام کے سرٹیفکیٹ تقسیم ہوئے۔ آخر میں ہیڈ ماسٹر صاحب نے اتنا اچھا جلسہ منعقد کرنے پر شرکاء، مُنتَظِمین اور سامعین سب کی تعریف کی اور پھر دینیات کے استاد صاحب سے درخواست کی کہ وہ دعا پر جلسے کی کارروائی ختم کریں۔

جب میں اپنے بھائی کے ساتھ گھر آیا تو عشاء کا وقت ہو رہا تھا۔ سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ نماز پڑھی اور حسبِ معمول ڈائری لکھنے بیٹھ گیا۔ خدا کا شکر ہے میرا آج کا دن بہت اچھا گزرا۔

مشق

۱- آپ کے خیال میں ڈائری لکھنے کے کیا فوائد ہیں؟

۲- مدرسے میں جلسہ سیرت النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سلسلے میں کیا کیا تیاریاں کی گئی تھیں؟

۳- اساتذہ نے اپنی تقاریر میں طلبہ کو کیا نصیحت کی؟

۴- طالب علم نے اپنی ڈائری میں کس وقت کی نماز کا ذکر نہیں کیا ہے؟

۵- کتاب میں دی ہوئی نعت کے علاوہ کسی اور نعت کے چند اشعار اپنی کاپی میں لکھیے۔

۶- مندرجہ ذیل جملوں میں سے ہر ایک کے سامنے اس کے فعل کا زمانہ لکھیے۔

الف۔ ہمارے اسکول میں سیرت النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا جلسہ ہوا ہے۔

ب۔ جلسے کے انتظامات میں، میں نے بھی حصّہ لیا تھا۔

ج۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے طلبہ کی تعریف کی۔

د۔ اگر طلبہ نے محنت نہ کی ہوتی تو ان کی تعریف نہ ہوتی۔

ہ۔ ہم حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سیرتِ پاک کا مطالعہ کریں گے۔

و۔ جو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیروی کرتا ہے خدا تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

ز۔ تم بھی حضورؐ کی سیرت کا مطالعہ کیا کرو۔

ح۔ مدینے جاؤں پھر آؤں اور آکے پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

ط۔ عاشقِ نبیؐ ہو کر دُور ہوں مدینے سے
موت ہی نہ آجائے کاش ایسے جینے سے

وقفہ تام یا ختمہ: (۔) یہ بھرپور ٹھہراؤ کی علامت ہے اور مکمل جملے کے خاتمے پر لگائی جاتی ہے اور انگریزی کے ان حروف کے بعد بھی لگائی جاتی ہے مثلاً ایم۔ اے، بی۔ اے، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی، وغیرہ۔

۷- آپ اس عبارت میں وقفہ تام مناسب جگہ پر لگائیے:

سعید نے شروع ہی سے محنت کرنی شروع کر دی تھی نہ وہ وقت دوستوں میں فضول ضائع کرتا تھا نہ زیادہ دیر کھیلتا تھا بس زیادہ وقت پڑھنے میں صرف کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ میٹرک، انٹر، بی اے اور ایم اے میں اوّل ہی رہا۔

گڑیا کی شادی

"گاجر کی پینڈی گل خیرے کا پھول، کہو میاں گڈّے تمہیں گڑیا قبول"؟ ارشد نے لہک لہک کر کہا، جواب میں عطیہ نے اپنے سامنے رکھے ہوئے گڈّے کی گردن اقرار کے انداز سے ہلا کر خود کہا" قبول"

" اور گڑیا سے بھی قبول کراؤ کیا پتا اُسے گڈّا قبول ہو نہ ہو" غزالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

" نہیں باجی وہ پہلے ہی اجازت دے چکی ہے"۔ عائشہ اپنی گڑیا کا گھونگٹ ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔ پھر ارشد سے مخاطب ہوئی" ہاں قاضی صاحب نکاح پڑھائیے"۔

" ہاں، ہاں نکاح تو پڑھاتا ہوں۔ مگر وہ تو تم نے طے کر لیا ہے نا عطیہ سے بعد میں جھگڑا نہ ہو"۔ ارشد نے پوچھا۔

" مہر نا؟ وہی سوا پانچ روپے جو غزالہ باجی کی گڑیا کا بندھا تھا"۔ عطیہ نے جواب دیا۔

" جی مہر نہیں قاضی صاحب کی فیس۔ یہ عاشی کہہ رہی تھیں۔ دولھا والے دیتے ہیں"۔ ارشد نے کہا۔

" کتنی فیس ہوگی"؟ عطیہ کی طرف سے رعنا نے پوچھا" وہی سوا روپیہ جو غزالہ باجی کی سمدھن نے دیا تھا" ارشد نے جواب دیا" بھئی سوا روپیہ تو بہت ہوتا ہے۔ ڈھائی روپے تو پہلے ہی چھوہاروں میں اٹھ گئے ہیں"۔

" عطیہ نے کہا" تو پھر منظور ہے سوا روپیہ؟" ارشد نے غزالہ سے پوچھا" بھئی سوا روپیہ تو بہت ہوتا ہے، پہلے کوئی پیسے لے کر نکاح تھوڑائی پڑھاتے تھے، نکاح پڑھانا تو ثواب کا کام ہے" عطیہ نے کہا۔

" وہ اصل نکاح پڑھانا ہوگا ثواب کا کام یہ گڑیوں کا نکاح ہے اس کے تو پیسے لگیں گے۔ ایک روپیہ پچیس پیسے، پورا سوا روپیہ"۔ ارشد نے اپنا اٹل فیصلہ سنا دیا۔

" لاؤ عطّی ہم ایک روپے میں پڑھا دیں" اظہر نے ارشد کے سر پر سے ٹوپی اتار کر اپنے سر پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں پہلے ہم سے کہا تھا۔ اسی لیے ہم کھیلنے بھی نہیں گئے" ارشد نے اپنی ٹوپی واپس چھینی۔

"نہیں عاشی ارشد بھائی سے ہی پڑھواؤ۔ یہ بہت اچھا پڑھاتے ہیں" اسماء نے عاشی کا کندھا ہلا کر کہا۔

"اچھا پڑھتے ہیں تبھی تو سوا روپیہ لیتے ہیں، جتنا گڑ ڈالو اتنا میٹھا ہوگا" ارشد نے فخر سے کہا۔

"اچھا چلو پڑھاؤ" عطیہ راضی ہوگئی۔

ارشد کی باچھیں کھل گئیں۔ پھر ذرا سنبھل کر بیٹھے اور آنکھیں بند کرکے جھوم جھوم کر بالکل اسی طرح پڑھنے لگے جس طرح رضیہ خالہ کے نکاح میں قاضی صاحب کو پڑھتے دیکھا تھا۔ "پتّے پہ پتّا'''' اپتّے ے پہ دہی ی ی' اچانک کوئی خیال آیا اور آنکھیں کھول کر خفگی سے بولے۔ "نام تو بتائے ہی نہیں تم نے۔ کس سے کس کا نکاح؟"

"نام تو ہم نے کوئی رکھا ہی نہیں" ہم تو بس گڑیا کہتے ہیں" عاشی نے کہا۔

"اور ہم نے تو خریدا ہی آج صبح ہے، ابھی نام رکھنے کا موقع ہی نہیں ملا" عطیہ بولی۔ "چلو گڑیا گڈّے کا نکاح صحیح کہہ دو" مظہر نے بزرگانہ مشورہ دیا۔ "نہیں جی، گڑیا گڈّے تو دنیا میں بہت سے ہیں، نام ہونا چاہیے" ارشد نے گویا قانونی نکتہ نکالا۔ "تو اشارہ کردو، اس گڑیا اور اس گڈّے کا نکاح صحیح ہے" مظہر نے مسئلے کا دوسرا حل بتایا۔ "ہاں یہ ٹھیک ہے" ارشد نے کہا اور پھر اسی طرح آنکھیں بند کرکے ہلنا شروع کیا۔ ابھی وہ نکاح کا "خطبہ" شروع کرنے ہی والے تھے کہ ایک نیا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔ عطیہ نے اپنے بھائی سلیمان کی انگلی مروڑ دی اور وہ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ قاضی صاحب سمیت سب کی توجّہ اس طرف مبذول ہوگئی۔ "تمھاری یہی سزا ہے، اتنا صبر نہیں ہوسکتا کہ نکاح ہو جائے چھوہارے کہیں بھاگے جارہے ہیں" عطیہ غصّے میں ڈانٹ رہی تھی۔

"کھا کون رہا تھا ہم مکھی اڑا رہے تھے" سلیمان نے اپنی انگلی سہلاتے ہوئے کہا۔

"تو لاؤ ایک مکّھی ہم بھی اڑا دیں" عطیہ کے بڑے بھائی ریحان نے بیچ میں رکھی ہوئی تھالی سے ایک چھوہارا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اور ایک مکّھی ہم بھی" مسرور میاں نے بھی موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک چھوہارا اٹھالیا۔ عطیہ نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا، غصّے میں جھلّا کر تھالی پر ہاتھ مار کر سارے چھوہارے بکھیر دیے اور منہ پھلا کر وہاں سے جانے لگی۔ غزالہ نے مسرور اور ریحان کو ڈانٹ کر چھوہارے واپس لیے سعیدہ اور گڈّو نے بکھرے ہوئے چھوہارے واپس تھالی میں رکھے اور عاشی نے عطیہ کو منا کر واپس بٹھا دیا۔ اظہر اور منوّر

نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا اور اُٹھ کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ بھاگتے ہوئے ان کو یہ بھی خیال نہیں رہا کہ بند مُٹھی والے ہاتھ کو پشت سے ہٹا کر سامنے کر لیتے۔ عطیہ نے ان کے پیچھے جانا چاہا تو غزالہ نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "چلو جانے دو چھوہاروں پر ہی ٹلی، بیٹھتے تو اور شرارت کرتے۔"

قاضی صاحب نے جھگڑا نمٹتا دیکھ کر پھر اسی انداز سے جھومتے ہوئے کہا "اب سب چُپ رہنا۔" اور پھر ترنم کے ساتھ پڑھنا شروع کیا "پتے ے ے پہ بتا آ آ، پتے ے ے پہ دہی ی ی ی، اس گڑیا کا آ، آ، آ، اس گڈے ے ے سے نکاح صحیح۔"

نکاح ہوتے ہی مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ سب کو ایک ایک چھوہارا ملا، گیتوں کا سلسلہ جو نکاح کے دوران منقطع ہو گیا تھا دوبارہ شروع ہو گیا۔ عطیہ، سعدیہ، رعنا، عائشہ اور غزالہ سب آواز سے آواز ملا کر گا رہی تھیں۔

گانے کے دوران عاشی کی اتی پانوں کی تھالی ہاتھ میں لیے داخل ہوئیں۔ بچیوں کو گاتے دیکھ کر مسکرائیں، بچیوں نے ان کو دیکھا تو شرما کر چپ ہو گئیں۔ انھوں نے تھالی درمیان میں رکھ دی اور بولیں چُپ کیوں ہو گئیں۔ گاؤنا، اچھا پہلے سونف الائچی کھالو پھر گانا اور بچیوں نے پھر گانا شروع کر دیا "میری گڑیا کا دیکھ خیال رکھنا، پیاری گڑیا کا دیکھو۔۔۔" گانا ختم ہوا، عاشی نے گڑیا کا سارا سامان ایک صندوقچی میں رکھ کر عطیہ کے حوالے کیا۔ سب سمدھنیں آپس میں گلے ملیں۔ گڑیا کو رخصت کرتے وقت عائشہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ غزالہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "عاشی بہن تم ذرا فکر نہ کرو عطیہ تمھاری گڑیا کو خوب سجی ہوئی الماری میں رکھے گی، عمدہ عمدہ کپڑے بنائے گی اور تم جب چاہو اپنی گڑیا کو بلا لیا کرنا۔ اس کے بعد عطیہ نے پوری محفل کو دوسرے روز اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا "کل ہمارے گڈے کا ولیمہ ہے، سب بھائی بہن عصر کی چائے ہمارے گھر آکر پیئیں۔" عاشی کی سمدھنوں نے اس سے رخصت کی اجازت لی اور بی عطیہ "اچھا بھئی خدا حافظ!" کہہ کر گڑیا بغل میں داب اپنے گھر چل دیں۔

مشق

۱۔ نکاح کے وقت کس کس کی مرضی معلوم کرنی ضروری ہوتی ہے؟

۲۔ قاضی صاحب نے خطبہ پڑھنے میں کیوں دیر کی؟

۳۔ گڑیوں کی شادی سے بچیوں میں کس کس بات کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے؟

۴۔ جتنا گڑ ڈالو اتنا میٹھا ہوگا، یہ کہاوت ہے۔ آپ کو کوئی اور کہاوت یاد ہو تو لکھیے۔

۵۔ تقریب کا حال عطیہ کی زبانی لکھیے۔

۶۔ فعلِ لازم اور فعلِ متعدی کی پانچ پانچ مثالیں دیجیے۔

سوالیہ (؟) یہ علامت جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے مثلاً کون ہے؟ مجھے کس نے پکارا؟

۷۔ اس عبارت میں مناسب جگہ پر "سوالیہ" اور "وقفہ تام" لگائیے:۔

ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تعارف کے بعد انھوں نے پوچھا وطن کون سا ہے میں نے کہا دہلی کہنے لگے دہلی کہاں ہے میں بولا ہندوستان میں اس پر سب اہلِ محفل بڑے خوش ہوئے انھوں نے مجھے اپنے پاس بٹھالیا

مالک نے نوکر سے ڈانٹتے ہوئے پوچھا تم کہاں گئے تھے میں کب سے انتظار کر رہا ہوں اور میں نے جو کام دیا تھا اس کا کیا ہوا

۸۔ اس سبق میں جو محاورے آئے ہیں انھیں چن کر اپنی کاپی میں لکھیے:۔

بلالؓ

چمک اُٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اُٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غم کدے کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی !
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے
کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لیے تو یہ صحرا ہی طُور تھا گویا
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری!
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اُس کا
خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اُس کا

اقبالؒ

مشق

۱۔ حضرتِ بلالؓ کون تھے؟
۲۔ دوسرے اور چھٹے شعر کا مطلب لکھیے۔
۳۔ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
طور ۔ مقدر ۔ ستم ۔ نیاز ۔ سراپا ۔ صحرا
۴۔ اعراب لگائیے۔
بلالؓ ۔ یثرب ۔ مقام

بلوچستان کے لوگ

جس طرح ایک گلدستہ رنگ برنگے پھولوں سے مل کر بنتا ہے، اس کے سارے پھول مل کر ایک ملی جُلی بھینی بھینی مہک سے ساری محفل کو فرحت بخشتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا پیارا وطن بھی ایک مہکتے گلدستے کی مانند ہے۔ یہ وطن لہلہاتے کھیتوں، گنگناتے دریاؤں، مہکتے گلشنوں، بلند و بالا کوہساروں اور گونجتی وادیوں کی سرزمین ہے اس وطن کی فضائیں امن و آشتی کے پیغام سے گونج رہی ہیں۔ یہاں کی ہوائیں اخوت و محبت کی خوشبو سے مُعطّر ہیں۔ یہاں کے جیالوں کی داستانیں ساری دُنیا کی قوموں کے لیے مشعلِ راہ رہی ہیں۔ یہاں کی تہذیب دُنیا کی قدیم تہذیب ہے۔

ہمارا یہ پیارا وطن چار صوبوں پر مشتمل ہے۔ ہر صوبہ ایک شگفتہ اور مہکتے پھول کی مانند ہے۔ ہر صوبے کی اپنی ایک نمایاں تہذیب و تمدّن، مخصوص زبان و ادب خاص قدرتی بناوٹ، پُرلطف موسم اور لوگوں کا دلچسپ رہن سہن ہے۔ گویا ہر صوبہ اپنی اِنھی خوبیوں اور خصوصیات کی وجہ سے ایک پھول کی طرح اپنا الگ رنگ اور خوشبو رکھتا ہے۔ ہمارا پیارا وطن اِنھی چاروں پھولوں کا مہکتا مُسکراتا ایک خوشنما گلدستہ ہے۔

ہمارے وطن کا ایک صوبہ بلوچستان ہے۔ یہ صوبہ ہمارے وطن کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ یہاں پر آبادی کم اور میدان اور پہاڑ زیادہ ہیں۔ سردیوں میں یہاں پر شدید سردی پڑتی ہے۔ اس کا اثر یہاں کے لوگوں کے مزاج اور لباس پر بھی پڑا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے یہاں کے لوگ بڑے حوصلہ مند، باہمت اور پُرعزم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ لمبے لمبے کُرتے پہنتے ہیں اس پر ایک صدری ہوتی ہے۔ البتہ سردیوں میں یہ صدری اُون کی ہوتی ہے۔ ایک سوتی یا اونی چادر اِن کے کاندھے پر ہمیشہ پڑی رہتی ہے جسے یہ لوگ ضرورت کے وقت مختلف کاموں میں استعمال کرتے ہیں۔ سر پر بھاری پگڑ باندھتے ہیں اور چمڑے کے سخت اور مضبوط جوتے پہنتے ہیں تاکہ پتھریلی اور سخت زمین پر بآسانی چل سکیں۔ یہاں کی عورتیں بھی ڈھیلا ڈھالا لمبا کُرتہ زیب تن کرتی ہیں اور سر پر چادر یا دوپٹہ اوڑھتی ہیں۔ پیروں میں مضبوط پھولدار یا سادہ چمڑے کی چپل یا جوتیاں پہنتی ہیں۔

صوبہ بلوچستان میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ مثلاً بلوچی، براہی، پشتو، سرائیکی وغیرہ۔ مگر تعلیم اور رابطے کے لیے قومی زبان اُردو استعمال کی جاتی ہیں۔ ان زبانوں میں یہاں کے بزرگوں کے تجربات پر مبنی اقوالِ زرّیں، مجاہدوں اور جیالوں کے عزم و ہمّت کے کارنامے اور لوک کہانیاں موجود ہیں۔ ان میں کچھ کہانیاں اور داستانیں منظوم بھی ہوتی ہیں۔ جنھیں یہ لوگ شادی بیاہ یا اور کوئی خوشی کی تقریبات کے موقع پر رات رات بھر اہلِ محفل کو سناتے ہیں۔ ان موقعوں پر یہ لوگ اپنے مخصوص موسیقی کے آلات استعمال کرتے ہیں اور مخصوص دھنیں بجاتے ہیں۔ اکثر مائیں اپنے بچوں کو سلانے کے لیے اپنی منظوم کہاوتوں کے گیت لوری کی صورت میں سناتی ہیں۔

یہ لوگ گھریلو اور زرعی استعمال کے لیے پانی بڑی محنت سے حاصل کرتے ہیں۔ ویسے تو پہاڑوں سے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے بھی بہتے ہیں۔ مگر ان چشموں کا پانی ناکافی ہے۔ اس لیے پہاڑوں کا سینہ چیر کر ایک خاص طریقے سے پانی حاصل کرتے ہیں۔ اس کے لیے کاریزیں تیار کرتے ہیں۔ کاریزیں زیرِ زمین نالیاں ہوتی ہیں جو پہاڑوں کے آبی ذخیرے کے مقام سے کھود کر اس مقام تک لائی جاتی ہیں جہاں پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ آڑو، سیب، آلوچہ، انگور، خوبانی اور پستے، بادام، ناریل وغیرہ کے باغات بکثرت لگاتے ہیں اور ان پھلوں کی تجارت بھی کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اناج اور سبزیوں کی کاشت بھی کرتے ہیں۔

سفر کے لیے زیادہ تر اونٹ، خچر، گدھے اور گھوڑے استعمال کرتے ہیں۔ البتہ بسیں، کاریں، ریل گاڑیاں، رکشائیں اور موٹر سائکلیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ مویشیوں سے بھی ان لوگوں کو فطری لگاؤ ہے۔ اس لیے یہ لوگ بھیڑ بکریاں، اونٹ اور دیگر مویشی بھی پالتے ہیں۔ ان سے دُودھ، گوشت اور کھال حاصل کرنے کے علاوہ ان کے اُون سے پہننے اوڑھنے کی مختلف چیزیں تیار کرتے ہیں اور ان کا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ ساحلی علاقے کے لوگ ماہی گیری اور کشتی رانی میں بھی طاق ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مچھلی اور جھینگوں کی تجارت کرتے ہیں۔ قدرت نے یہاں کے پہاڑوں کو معدنیات کی دولت سے مالامال کر رکھا ہے۔ اکثر لوگ مختلف قسم کی معدنیات مثلاً کوئلہ، لوہا، تانبا، کرومائیٹ اور قیمتی پتھروں کی کانوں میں کام کرتے ہیں اور ان اشیاء کی تجارت کرکے ملک کو مالی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اس صوبے کے پہاڑوں میں قدیم درّے ہیں، مثلاً درّۂ بولان، درّۂ مزاری وغیرہ۔ یہ لوگ ان درّوں کے راستے دوسرے ملکوں سے مختلف چیزوں کی تجارت بھی کرتے ہیں اور مختلف علاقوں سے شہروں کی طرف بھی منتقل ہو رہے ہیں اور اب تو یہ سلسلہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ شہروں میں آبادی شدید حد تک بڑھ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے فضائی آلودگی، ٹریفک کا شور، پانی، بجلی، خوراک اور صحت و صفائی کے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

ان پہاڑوں میں جنگلی جانور بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ جنگلی جانور کا شکار کر کے اُن کی کھال سے مختلف خوبصورت چیزیں مثلاً جوتے، پرس، تھیلے، صدری کے استر اور ٹوپیاں وغیرہ بنا کر فروخت کرتے ہیں۔

یہاں کی عورتیں بھی بڑی ہنر مند ہوتی ہیں۔ اپنے گھروں میں عام استعمال کی چیزیں مثلاً کپڑے کے گلے، کُرتے، صدریاں اور ٹوپیاں وغیرہ بڑے خوشنما ڈزائنوں میں تیار کرتی ہیں اور ان کی تجارت میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ دوپٹے، چادریں، پردے وغیرہ پر بھی نہایت نفیس کڑھائی کرتی ہیں۔ اونٹوں کے کجاوے، گھوڑے کی زینیں اور گردن اور ٹانگوں کی سجاوٹ کی جھالریں اور دیگر چیزیں کوڑیاں اور گھونگھے ٹانک کر خوبصورت انداز میں تیار کرتی ہیں۔

بلوچستان کے لوگ اسلامی روایات کا بہت احترام کرتے ہیں۔ نماز روزہ اور دیگر اسلامی ارکان اور تعلیمات پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔ سادگی پسند اور جری ہونے کے علاوہ یہ لوگ بے حد مہمان نواز ہوتے ہیں اور مہمانوں کی خدمت پر فخر کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگ جنگجو اور بے باک ہوتے ہیں اس لیے نیزے بازی، تیر اندازی اور گھوڑ سواری کا ان لوگوں کو فطری شوق ہے۔ یہ لوگ میلے بھی لگاتے ہیں۔ خاص طور پر سبّی کا میلہ تو بہت ہی مشہور ہے۔ اس میلے میں مشّاق نوجوان مختلف کرتبوں اور فنوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ عمدہ نسل کے مویشیوں کی نمائش کر کے انعامات حاصل کرتے ہیں۔ اپنے بچّوں کو بھی یہ لوگ یہ تمام فن اور دستکاریاں سکھاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان بچّوں کی تعلیم کا خاص اہتمام کرتے ہیں تاکہ تعلیم حاصل کر کے ان کے بچّے قوم و ملک کے لیے ایک بہتر شہری بن سکیں اور زندگی خوشحال انداز پر گزار سکیں۔

مشق

۱۔ پاکستان ایک گلدستے کی مانند کیسے ہے؟

۲۔ بلوچستان کے لوگ کس طرح کے کپڑے پہنتے ہیں؟ مختصراً بیان کیجیے۔

۳۔ کاریزیں کس لیے بنائی جاتی ہیں؟

۴۔ بلوچستان کے لوگ کس کس چیز کی تجارت کرتے ہیں؟

۵- بلوچستان کی عورتیں گھروں میں کس کس دستکاری میں حصّہ لیتی ہیں ؟
۶- شادی وغیرہ کی تقریبات میں بوڑھے لوگ رات رات بھر لوگوں کو کیا سناتے ہیں ؟
۷- شہروں کی آبادی بڑھنے سے کیا کیا مسائل پیدا ہو رہے ہیں ؟
۸- ان جملوں کو درست کر کے لکھیے:

اکبر نے سلیم کو پانچ روپے دیا- وہ لڑکا تیز دوڑتی- میں نے خط لکھی- اکرم دس تک گنا- میں نے بازار جانا ہے- استاد نے دو بچے داخل کیا- بچّہ چھت سے گرتے بچا-

مصنوعی سیّارہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے انسان انھی خوبیوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ آج دنیا کی یہ خوبصورتی اور رونق اور ہر طرح کی ترقی انھی صلاحیتوں کے استعمال کی وجہ سے ہے۔ اس نے سمندروں میں سفر کرنا چاہا تو پہلے کشتیاں بنائیں پھر بڑے بڑے جہاز بنا ڈالے۔ خشکی پر سفر کی سہولت کے لیے سائیکل، موٹر کار اور ریل گاڑی ایجاد کرلی۔ ہوا میں سفر کے لیے نت نئے ہوائی جہاز بنا لیے۔ چھوٹی سی چھوٹی چیز کی حقیقت معلوم کرنی چاہی تو خرد بین بنالی اور کائنات کے دور دراز ستاروں اور سیّاروں کو دیکھنا چاہا تو دُوربین ایجاد کرلی۔ مگر انسان کی بے چین طبیعت کو بھلا چین کہاں؟ اب اس نے چاہا کہ چاند پر پہنچے اور زمین سے دور نکل کر فضاؤں اور خلاء کی سیر کرے۔ اس طرح راکٹ وجود میں آگیا۔ لیکن انسان میں پوشیدہ صلاحیتیں اُسے کیسے نچلا بیٹھنے دیتیں، اس نے سوچا کہ وہ زمین کی کشش کی حدود سے نکل کر بھی زمین کے گرد چکر لگائے اور کچھ تجربات کرے۔ آخر انسان نے ایک ایسا مصنوعی سیّارہ ایجاد کرلیا جو زمین سے دور رہ کر زمین کے گرد چکر لگا سکتا ہے۔ ویسے تو دنیا کے کئی بڑے ملکوں نے اس مقصد کو حاصل کرنا چاہا لیکن اس مقصد میں کامیابی کا سہرا روس کے سر رہا۔

روس کے سائنس دانوں نے یہ معلوم کرلیا کہ اگر کوئی جسم ۲۹ ہزار کلومیٹر سے زیادہ رفتار سے خلاء میں پھینکا جائے تو وہ زمین کی حدود سے باہر نکل سکتا ہے اور پھر خلاء میں چلتے رہنے کے لیے اسے کسی انجن کی ضرورت نہیں۔ مگر زمین کے گرد گولائی میں چکر لگانے کے لیے کچھ نہ کچھ زمین کی کشش ثقل میں رہنا ضروری ہے۔ چنانچہ روس نے ۴ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو اسپوٹنِک اوّل نامی ایک مصنوعی سیّارہ راکٹ کی مدد سے خلاء میں بھیج کر دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس مصنوعی سیّارے کا وزن ۱۸۲ پونڈ تھا اور زمین سے ایک ہزار چودہ کلومیٹر دور رہ کر زمین کے گرد ۹۵ منٹ میں اپنا ایک چکّر پورا کرتا تھا۔ یہ سیّارہ المونیم کا بنا ہوا تھا اور اس میں ریڈیو، ٹرانسمیٹر، حرارت پیما اور بہت سے سائنسی آلات نصب تھے۔

روس کی اس کامیابی نے دوسرے ملکوں کو بھی اُکسایا اور اس کی دیکھا دیکھی جلد ہی امریکہ نے بھی

۱۴ مارچ ۱۹۵۸ء کو اپنا رینگارڈ نامی مصنوعی سیّارہ خلاء میں بھیجا جس کا وزن تقریباً ڈھائی سو پونڈ تھا۔

ان مصنوعی سیاروں سے سائنس دانوں کو بہت مفید معلومات حاصل ہوئیں اور پھر بہت سی قسم کے مصنوعی سیارے خلاء میں بھیجے جانے لگے۔ ان میں بعض موسمی سیّارے کہلاتے ہیں جو بادلوں کی کیفیت، موسموں کا حال اور سمندری طوفان کی خبر اور تصویریں اپنے زمینی اسٹیشنوں کو بھیجتے ہیں۔ یہ خبریں ہم روزانہ ٹیلی وژن پر موسم کے حال میں دیکھتے اور سنتے ہیں۔

کچھ مصنوعی سیاروں سے مواصلات کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ ان کی مدد سے دُنیا کے تمام ملک ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے ہیں۔ ان مصنوعی سیاروں کی مدد سے ایک ہی لمحے میں ہم اپنے گھر بیٹھے ٹیلی فون پر اپنے دور دراز ملکوں میں رہنے والے عزیزوں سے گفتگو کر لیتے ہیں یا دُنیا کے کسی بھی ملک میں کھیلے جانے والے میچوں کا حال ٹیلی وژن پر اسی وقت دیکھ لیتے ہیں۔

ان کے علاوہ کچھ مصنوعی سیارے جہازوں، آب دوزوں اور ہوائی جہازوں کو موسمی حالات سے آگاہ کرتے ہیں یہ سیارے چاند کی طرف جانے والے خلائی جہازوں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔

اب تو سائنس دانوں نے ان سیاروں میں طبّی تجربہ گاہیں بھی قائم کرلی ہیں۔ وہاں بیٹھ کر سائنس دان مختلف کیڑے مکوڑوں اور جراثیم کا مطالعہ کرتے ہیں اور مہلک بیماریوں کے علاج کے لیے دوائیں دریافت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستان نے بھی اپنا مصنوعی سیّارہ "البدر" خلاء میں بھیج دیا ہے۔

مشق

۱۔ مصنوعی سیّارہ سب سے پہلے کس ملک نے بنایا؟
۲۔ سب سے پہلے مصنوعی سیّارے کا نام کیا ہے؟
۳۔ اُس سیّارے کا وزن کتنا تھا؟
۴۔ کوئی چیز زمین کی حدود سے باہر کس رفتار سے نکل سکتی ہے؟

۵۔ پہلا مصنوعی ستیارہ کتنی دیر تک خلاء میں رہا؟

۶۔ امریکہ نے اپنا پہلا مصنوعی ستیارہ کب خلاء میں بھیجا؟

۷۔ مصنوعی ستیاروں سے ہم کیا کیا کام لے سکتے ہیں۔

۸۔ اس سبق میں کون کون سے اسمِ جامد آئے ہیں؟ اپنی کاپی پر لکھیے:۔

۹۔ اس سبق میں جو جو الفاظ بطور اسمِ معرفہ آئے ہیں انھیں چُن کر اپنی کاپی میں لکھیے:۔

۱۰۔ اس سبق کے آخری پیراگراف کو ضمیر متکلم میں تبدیل کر کے لکھیے:

اے وطن!

اے وطن، پیارے وطن، پیارے وطن، پیارے وطن
اے وطن پیارے وطن
میرے خوابوں کی زمیں ہے مرا ارماں تُو ہے
میری عزّت، مری عظمت، مری پہچاں تُو ہے
میری ہستی کا مری زیست کا ساماں تُو ہے
حوصلوں کو مرے رکھتی ہے جواں تیری لگن
اے وطن پیارے وطن
لاکھ طوفان اُٹھیں تجھ کو مٹانے کے لیے
میں ہوں موجود ہر آفت سے بچانے کے لیے
سر کٹانے کے لیے، جان لڑانے کے لیے
تجھ پہ جو وار ہو، جھیلے مرا فولاد بدن!
اے وطن پیارے وطن
کھیت سرسبز رہیں، بستیاں آباد رہیں!
تیرے باشندے ہر اک خوف سے آزاد رہیں
سایۂ رحمتِ باری میں سدا شاد رہیں
تیری اُلفت ہو ہر اک فرد کے دل کی دھڑکن
اے وطن، پیارے وطن، پیارے وطن، پیارے وطن
اے وطن، پیارے وطن، پیارے وطن

عنایت علی خاں ٹونکی

مشق

۱۔ شاعر نے پہلے بند میں وطن کے بارے میں کیا کیا باتیں کہی ہیں؟

۲۔ دوسرے بند کا مطلب اپنے الفاظ میں لکھیے:

۳۔ تیسرے بند میں شاعر نے کس کس تمنّا کا اظہار کیا ہے؟

۴۔ ہم اپنے وطن کی کس طرح خدمت کر سکتے ہیں؟

۵۔ ان الفاظ کے واحد لکھیے:

خوابوں ۔ بستیاں ۔ حوصلوں ۔ باشندے ۔

دوستوں کے خطوط

بسمِ اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

۲۵۱- ہیر آباد حیدر آباد، سندھ
مورخہ ۳۰، مارچ ۱۹۸۹ء

پیارے دوست سعید!

اَلسّلامُ عَلیکُم!

خدائے تعالیٰ کے فضل سے میں خیریت سے ہوں۔ امید ہے آپ بھی بخیر ہوں گے۔ مجھے آپ کا ۱۵، مارچ کا خط مل گیا تھا۔لیکن امتحان کی مصروفیت کی وجہ سے جواب نہ دے سکا تھا۔ ۲۵، مارچ کو امتحان ختم ہوا تو چچا زاد بہن کی شادی میں کراچی جانا پڑا۔ وہاں سے آج واپسی ہوئی ہے تو پہلی فرصت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ میرے پرچے اَلحمدُ لِلّٰہ ٹھیک ہو گئے ہیں امید ہے آپ اور آپ کے بہن بھائیوں کے پرچے بھی اچھے ہوئے ہوں گے۔

اچھا اب یہ بتائیے کہ چھٹیوں کا کیا پروگرام ہے؟ اگر آپ گرمی کی چھٹیوں میں حیدر آباد آجائیں تو دو چار روز کے لیے ہم لوگ کراچی بھی ہو آئیں گے۔ وہاں میرے ماموں رہتے ہیں۔ گزشتہ سال میں ان کے یہاں گیا تھا تو انھوں نے مجھے کلفٹن، کیماڑی اور ہل پارک کی تفریح کرائی تھی۔ اس مرتبہ انھوں نے ٹیلی ویژن اسٹیشن لے چلنے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر اس موقع پر آپ بھی ساتھ ہوں تو تفریح کا لطف دو بالا ہو جائے گا۔ میرے ماموں زاد بھائی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔

آپ نے اپنے اس خط میں اپنی امّی کی طبیعت کی ناسازی کا ذکر کیا ہے۔ خدا کرے اب ان کی طبیعت بحال ہو گئی ہو۔ مَوسم کی تبدیلی کی وجہ سے میرے والد کو بھی گزشتہ ہفتے دو تین روز بخار رہا۔ اب ماشاء اللہ وہ ٹھیک ہیں۔

میرے پاس اِتّفاق سے سعودی عرب کے اِکٹھے دس ٹکٹ آگئے ہیں اگر آپ کو ضرورت ہو تو لکھیں۔ ان دنوں آپ کے ٹکٹوں کے ذخیرے میں کوئی اضافہ ہوا یا نہیں؟ حیدر آباد کا مَوسم تبدیل ہو چکا ہے، دوپہر میں خاصی گرمی ہو جاتی ہے۔ سکھر کے مَوسم کا کیا حال ہے؟

اپنی دادی امّاں، امّی، ابّو اور بہن بھائیوں کو میرا سلام کہیے گا۔ ہاں اس دوران امتحان کا نتیجہ آچکا ہو تو اس کی تفصیل ضرور لکھیے گا۔ فقط والسّلام

آپ کا دوست
مظہر علی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

۳۱۳۔ نزد جامع مسجد
نیا سکھّر
مورخہ ۵ر اپریل ۱۹۸۹ء

عزیز دوست مظہر!
وَعَلَیۡکُمُ السَّلام

خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم لوگ خیریت سے ہیں۔ امّی کی طبیعت اب بالکل ٹھیک ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ اور آپ کے گھر والے خیریت سے ہیں۔ خط کے جواب میں آپ کی طرف سے جو تاخیر ہوئی اس سے تشویش ہو گئی تھی۔ اَلحمدُلِلّٰہ اب وہ تشویش دور ہو گئی۔

ویسے یہ آپ نے خوب لکھا ہے کہ کراچی جانے کی وجہ سے جواب نہ لکھ سکے۔ بندۂ خدا کیا کراچی میں ڈاک خانے نہیں یا وہاں کاغذ اور قلم کا قحط ہے؟

ہم سب لوگوں کے پرچے بھی ٹھیک ہو گئے ہیں۔ نتیجہ ۱۴ر اپریل کو سنایا جائے گا۔ سعودی عرب کے ٹکٹ مجھے ضرور اِرسال کر دیں۔ میں آپ کو کینیڈا کے ٹکٹ بھیج رہا ہوں۔ یہ مجھے وہاں سے میرے خالو نے بھیجے ہیں۔ پچھلے دنوں امتحان کی مصروفیت کی وجہ سے ٹکٹ البم میں نہ لگا سکا اب وقت ملا ہے تو اِن شاءَ اللّٰہ دو ایک روز میں سب ٹکٹ البم میں لگاؤں گا۔

اس مرتبہ گرمی کی تعطیلات میں شاید ہم لوگ کوئٹہ جائیں۔ کراچی کا پروگرام اگر آئندہ تعطیلات تک ملتوی کر دیں تو مناسب ہے۔

سکھّر کا موسم تو آپ جانتے ہی ہیں یہاں تو گویا اپریل ہی میں مئی آگئی ہے جس کے لیے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ!
بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ

ہاں خوب یاد آیا، اللہ ڈنو، آپ کو یاد کر رہا تھا۔ میں نے اُسے آپ کا خط دے دیا ہے، شاید خط لکھے۔ اچھا اب اجازت دیجیے، خدا حافظ۔

آپ کا دوست

سعید

مشق

۱۔ مظہر کراچی کیوں گیا تھا؟

۲۔ گرمیوں کی چھٹیوں کے لیے مظہر نے کیا پروگرام تجویز کیا تھا؟

۳۔ مظہر اور سعید کا مشترکہ مشغلہ کیا تھا؟

۴۔ خط کو نصف ملاقات کیوں کہا جاتا ہے؟

علم و دانش، مال و اسباب ایسے الفاظ ہیں جو عام طور پر ایک ساتھ آتے ہیں۔ دونوں لفظوں کے درمیان جو 'و' آتا ہے۔ اس کے معنی "اور" کے ہیں۔

۵۔ نیچے دیے ہوئے الفاظ کے ساتھ جو الفاظ آتے ہیں وہ لکھیے۔
صحت و.........، خاص و...... .....، .... وشام
عزیز و.....، .... وجان........ و عشرت۔

۶۔ ذیل کے الفاظ کے مترادف لکھیے:
نیکی، روشنی، راحت۔

۷۔ ذیل کے الفاظ کے متضاد لکھیے:
یاد ۔ گرمی ۔ اضافہ ۔ ٹھیک ۔ خوشی ۔ تاخیر ۔ تشویش ۔ قحط ۔ مصروفیت۔

سوئٹزرلینڈ کی سیر

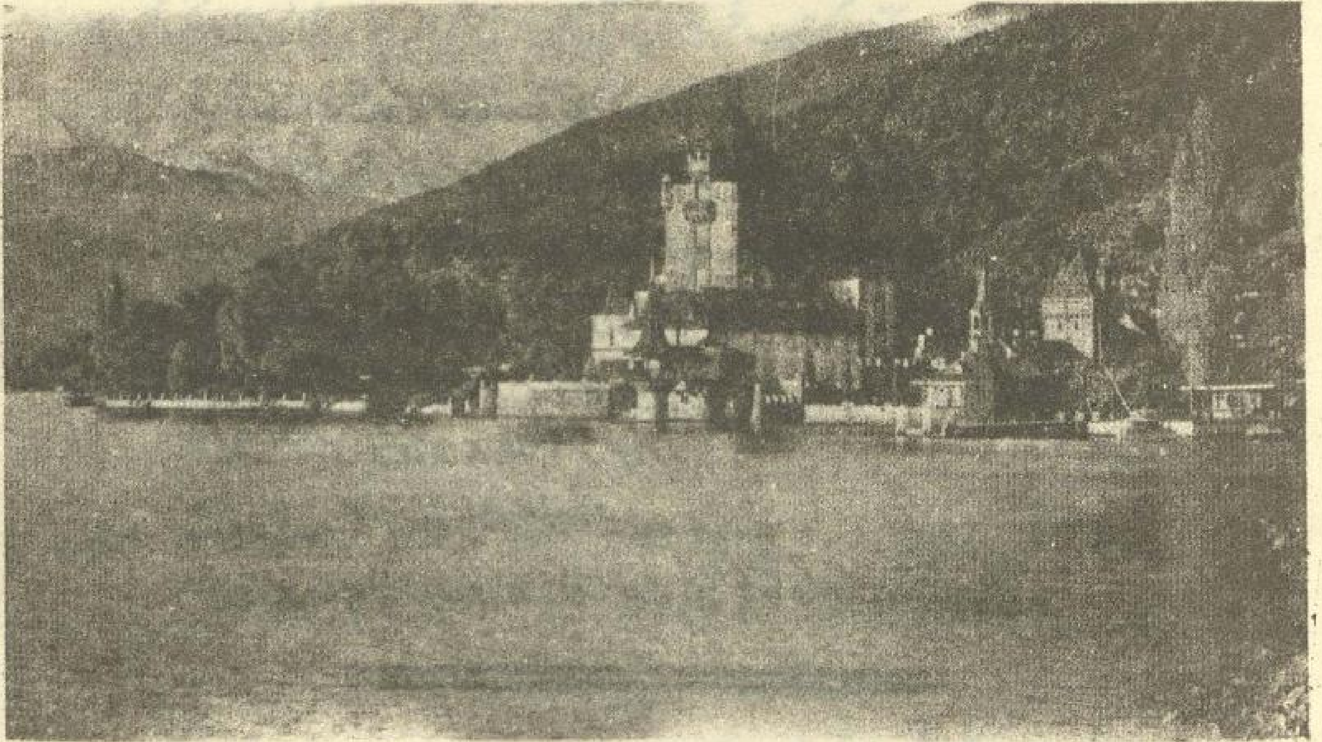
موسم گرما بسر کرنے کے لیے سوئٹزر لینڈ کے پہاڑوں اور جھیلوں سے زیادہ مزے کی جگہ کیا ہوگی۔ جنھیں دولت اور فراغت دونوں میسّر ہیں وہ تو یہاں آکر مہینوں جانے کا نام نہیں لیتے۔ ان کو مرکز قرار دے کر گرد و نواح کی سیر کر آتے ہیں اور پھر یہیں آجاتے ہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہر سال بہار کے آغاز اور گرما کے اختتام کے درمیان یعنی اپریل کے شروع سے ستمبر کے آخر تک کوئی تین لاکھ آدمی دوسرے مقامات سے یہاں آتے ہیں۔ ان میں آدھے اگر راہ رو فرض کیے جائیں جو آتے جاتے تھوڑی دیر کے لیے اس پُر فضا مقام کی سیر کرتے ہیں تو آدھے ایسے ہیں جو یہاں معقول عرصے کے لیے قیام کرتے ہیں۔ انھی آنے جانے والوں سے یہاں کے کثیرالتعداد ہوٹل اور دیگر مہمان خانے آباد ہیں اور انھی کے طفیل سیر و سفر کے لیے ہر طرح کی آسائشیں یہاں مہیّا ہیں۔ کوہ آلپس کی کئی چوٹیوں تک ہلکی ریل جاتی ہے۔ اس کی سڑک کو دور سے دیکھیں تو سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی قلّۂ کوہ تک چلی گئی ہے۔ گاڑی کو اس ڈھلواں سڑک پر لے جانے کے لیے اس کے انجن اور گاڑیوں کی ساخت میں ایسی کلیں لگائی گئی ہیں جن سے گاڑی قابو میں رہے اور نیچے کو گر نہ جائے۔ جھیل کی سیر کے لیے ہر وقت دُخانی جہاز چلتے ہیں۔ جو مختلف قابلِ سیر جگہوں پر ٹھہرتے ہوئے جاتے ہیں اور ہر جگہ لوگ اُتر کر آگے تھوڑی دُور پیدل سیر و تماشے کے لیے چلے جاتے ہیں۔ اس کے سوا گاڑیاں ہیں، گھوڑے ہیں، ہاتھ سے چلانے کی کشتیاں ہیں۔ جس مذاق کا کوئی آدمی ہو اپنی پسند کی سواری ڈھونڈے اور سیر کرتا پھرے۔ سبزہ و گل اور کوہ و دریا کے تماشے کے ساتھ شہروں کی زندگی کے مزے ملانا چاہے تو جھیل کے کنارے گھنے سایہ دار درختوں کی دُہری قطار ہے۔ وہاں کرسیاں اور بنچیں رکھی ہیں لوگوں کا جماؤ رہتا ہے۔ بیٹھ جائے اور تماشا دیکھا کرے۔ شام کے قریب باجا بجتا ہے۔ شام کے بعد ناٹک وغیرہ کے تماشے شروع ہوتے ہیں۔ جھیل کے کنارے روشنی ہی روشنی نظر آتی ہے اور مکانوں کے لیمپ اور سڑک کی لالٹینیں اپنا عکس پانی میں ڈالتی ہیں اور عجیب بہار دیتی ہیں۔ لیکن اگر

کوئی شہروں کی اِن معمولی دلچسپیوں سے گھبرا کر یہاں آیا ہو اور گوشۂ تنہائی کا مُتلاشی ہو تو وہ آبادی سے کچھ دُور نکل جائے چاروں طرف مناظرِ قدرت اس کے مُونِس و ہَمدَم ہوں گے۔ درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں ہوگی اور برف پوش پہاڑوں کی دِل لُبھانے والی ہوا۔ وہ ہوگا اور اس کے خیالات۔ نہ کوئی روکنے والا نہ کوئی ٹوکنے والا، نہ اس کے تخلیے میں خلل ڈالنے والا۔ اگر کہیں اسی شوق کا مارا اسی کا ہم خیال کوئی اور بھی آنکلا تو وہ اس گوشے کو آباد پاکر خود ہی اور گوشہ ڈھونڈے گا۔

ہماری سیر اِن دونوں قسموں سے علیٰحدہ تھی۔ ہمارا اس پر عمل تھا کہ جی بھر کر دیکھنا مُیَسّر نہ ہو تو نہ ہونے سے ایک جھلک بھی بہتر ہے۔ جیسے تیتری باغ کی سیر کرتی ہے۔ ایک پھول سے دوسرے پھول پر۔ اسی طرح ہم تھے کہ ہر چیز کا تھوڑا تھوڑا نمونہ دیکھتے پھرتے تھے۔ ہر نئے مقام کو ابھی پہلا سلام۔ ابھی آخری سلام جانتے تھے کہ یہی ایک نظر ہے جس کی اجازت ہے۔ پھر کہاں ہم اور کہاں یہ حُسنِ قدرت و صنعت کے جلوے۔

اس سیر میں ایک دن ہم ایک عجائب خانۂ قدرت کی طرف گئے جسے یہاں "گلیشیر گارڈن" یعنی تودہ ہائے برف کا باغ کہتے ہیں۔ برف کے یہ تودے اس زمانے کی یادگار ہیں جب سارا سوئٹزرلینڈ برف کے نیچے دبا ہوا تھا۔ یہ زمانہ تاریخی کتب سے بہت پہلے گزرا ہے۔ ماہرینِ علمِ طبقاتُ الارض نے ان کا پتا چلایا ہے اور اب وہ یقینی طور پر ثابت کرسکتے ہیں کہ ایک وقت میں روئے زمین کا سارا شمالی حصّہ ایک سطحِ برفانی تھا۔ کہیں اتفاق سے کوئی جگہ خالی تھی تو وہاں حضرتِ انسان کا وجود نہ تھا۔ البتہ کچھ حیوانات تھے مگر ان حیوانات کی نسل بھی مَقطُوع ہے۔ کہیں کہیں ان کے پنجر ہڈیاں دستیاب ہوتی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ساخت کیا تھی اور موجودہ جانوروں سے کس قدر نرالی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس برفانی عہد سے قبل ایک زمانہ ایسا تھا کہ ساری زمین پر پانی ہی پانی تھا مگر اِس وقت اُس زمانہ سے بحث نہیں بلکہ صرف عہدِ برف سے کام ہے جس کی یہ حیرت انگیز نشانی موجود ہے۔ برف کے پگھلنے سے جو سیلاب پہاڑوں کے اندر رَواں ہوا، اس میں کئی بڑے بڑے تودے برف کے پگھلنے سے بچ رہے تھے، بہتے ہوئے آئے اور اپنے زور میں پتھروں کو تراشتے ہوئے آخر خود ایک بھنور میں آ پھنسے، یعنی ایسی جگہ پہنچے جہاں وہ چاروں طرف مضبوط چٹانوں سے گھر گئے۔ اب جائیں تو کہاں جائیں، پانی ہے کہ اوپر سے برابر آرہا ہے اور انھیں حرکت دیے جارہا ہے۔ مگر یہ قلعہ بند ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پہ آرام سے بیٹھے تھے۔ اپنی جگہ چھوڑ کر اس مصیبت میں آ پھنسے کہ رات دن ایک مقام پر چکر کی طرح گھوم رہے ہیں۔ خود بھی گِھستے ہیں، پتّھروں کو بھی گِھساتے ہیں۔

یہ خدمت صدیوں سے ان کے سپرد ہے۔ نہ کبھی رخصت نہ تعطیل۔ اتنی خیریت تھی کہ چشمِ مردم سے ان کی یہ سزا پوشیدہ تھی۔ مگر آج کل انسان کو یہ جرأت ہوئی کہ ہر جگہ کارخانۂ قدرت سے پردۂ راز اٹھاتا جاتا ہے۔ چناں چہ ان تودوں کی پردہ دری کے بغیر بھی نہ رہا۔ ۱۸۷۲ء تک یہ قطعۂ زمین جو برفانی باغ ہے، ایک چراگاہ تھا اور اس کی ہری ہری گھاس کے نیچے یہ برفانی کارخانہ جاری تھا مگر کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ اتفاق سے ایک جگہ زمین میں سوراخ ہوگیا اور وہاں سے اس برفانی چکی کی آواز آئی۔ کھودنے پر یہ عجوبہ نظر آیا اور پھر ایک چکی کے دریافت ہونے سے اس کے قریب ہی کئی اور چکیاں نکل آئیں اور یہ حصہ تماشائیوں کو محوِ حیرت کرنے کے لیے آراستہ کردیا گیا۔ اس کھدائی میں اس میں اس عہد کے جانور اور درخت ملے جو پتھروں کی طرح سخت بن چکے تھے۔ اب لوگ جوق در جوق ان عجائبات کو دیکھنے آتے ہیں۔ تاریخ و جغرافیہ دونوں علوم کے شائقین کی دلچسپی کا سامان یہاں موجود ہے۔ سوئٹزر لینڈ کے قدیم باشندوں کی جھونپڑیوں، ان کے ہتھیاروں اور اوزاروں کے نمونے بھی اسی احاطے میں ایک جگہ دکھائے گئے ہیں۔ ان عام تماشائیوں کی دلچسپی کے لیے ایک نہایت خوش وضع بھول بھلیاں کی نقل ہے۔ بھول بھلیاں سے نکلتے ہی باغ کا وہ حصہ سامنے آتا ہے جہاں چٹان کاٹ کر ایک بہت



بڑا شہر بنایا گیا ہے۔ جس پر شہر لوسرن کو ناز ہے اور جو فی الواقع سنگ تراشی کا عمدہ نمونہ ہے۔ جھیل لوسرن جس سے شہر لوسرن نے نام پایا ہے اس ملک کی نہایت خوب صورت جھیلوں

میں سے ہے۔ اس کا طول سینتیس ۳۷ کلو میٹر ہے اور عرض ۱/۲ کلو میٹر سے لے کر پانچ کلو میٹر تک ہے۔ چاروں طرف بلند پہاڑوں کی سر سبز چوٹیاں اور درمیان میں یہ جھیل عجیب بہار دیتی ہے۔ جس سیاح کو فرصت ہو وہ یہاں مہینوں رہے اور روز کشتی میں بیٹھ کر سیر کو جائے۔ جہاں کہیں خشکی سے اتر کر کوہستان کی سیر کرے گا اس کے لیے کوئی نہ کوئی قابلِ دید منظر موجود ہوگا۔ ہمیں صرف ایک دن کی مہلت دی گئی تھی۔ اس لیے ہم ہوٹل سے واپس آتے ہی کشتی پر بیٹھ کر جھیل کی سیر کو نکلے۔ مطلع صاف تھا۔ ہوا خوش گوار تھی۔ گرد و پیش کے مناظر مزا دے رہے تھے۔ ابھی لطف سے سیری نہ ہوئی تھی کہ وہ اسٹیشن آگیا۔ جہاں سے ہلکی پہاڑی ریل پر بیٹھ کر کوہ آلپس کا مشہور درہ "کلم" کی سیر کو جاتے ہیں۔ ہم وہیں اتر پڑے اور ریل پر سوار ہو لیے۔

(سر عبد القادر)

مشق

۱۔ سیر و سیاحت کے کیا فائدے ہیں؟

۲۔ سوئٹزر لینڈ میں کس موسم میں لوگ سیر و تفریح کے لیے آتے ہیں؟

۳۔ سوئٹزر لینڈ کے عجائب خانے کے بارے میں آپ نے کیا پڑھا ہے؟

۴۔ ذیل کے الفاظ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

زراعت، فضا، سیر و سفر، گوشۂ تنہائی۔

تخلیہ، عکس، مونس و ہمدم، چشم مردم

۵۔ برفانی باغ کے متعلق ایک صفحہ تفصیل سے لکھیے۔

۶۔ اس سبق سے فعل لازم اور فعل متعدی کی پانچ پانچ مثالیں تلاش کیجیے۔

بُری صُحبت کا انجام

فہمیدہ ایک سمجھ دار عورت تھی۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام واجد تھا جو کہ ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ چھوٹے کا نام زاہد جو چھٹی جماعت میں تھا۔ فہمیدہ کا شوہر ریلوے میں ڈرائیور تھا اس لیے اکثر گھر سے باہر رہتا تھا۔

فہمیدہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھی۔ وہ صحت وصفائی کا خاص خیال رکھتی تھی۔ اسکول کے تفریح کے وقفوں میں دونوں بچّوں کو گھر کی بنی ہوئی چیز کھانے کے لیے دیتی تھی۔ تفریح کے وقفے میں دونوں بھائی اپنا کھانا کھاتے۔ فہمیدہ بچّوں کو جیب خرچ اس لیے نہیں دیتی تھی کہ وہ کوئی ایسی چیز نہ کھائیں جو صحت کے لیے مُضر ہو۔ ٹھیلوں پر بِکنے والی چیزیں اکثر گندی اور صحت کے لیے مُضر ہوتی ہیں۔

واجد اور زاہد جب اسکول میں بچّوں کو طرح طرح کی چیزیں کھاتے دیکھتے تو اُن کا بھی جی چاہتا کہ وہ بھی یہ چیزیں کھائیں۔ مگر جیب خرچ نہ مِلنے کی وجہ سے ان کی یہ خواہش دل کی دل میں رہ جاتی ایک دن ایک ساتھی سے انھوں نے ذکر کیا تو اس نے انھیں ایک ترکیب بتائی کہ وہ گھر سے لایا ہُوا کھانا کسی ساتھی کو دے کر اس سے پیسے لے لیں۔ واجد نے اس ترکیب پر عمل کیا۔ اگرچہ چھوٹے بھائی نے اُسے منع بھی کیا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ واجد نے ٹھیلے والوں سے چیزیں لے کر کھانا شروع کر دیں۔

واجد کو ٹھیلے سے چیزیں خرید کر کھانے کی عادت پڑ چکی تھی۔ اس کے دوست بھی زیادہ بن گئے تھے۔ کچھ دوست امیر گھرانوں کے تھے۔ واجد بھی ان کی دیکھا دیکھی فضول خرچ کرنے لگا۔ اس کے لیے اس نے اُدھار بھی لینا شروع کر دیا۔ اسکول سے آکر واجد باہر کھیلنے نکل جاتا۔ وہاں بُرے دوستوں کی صُحبت کی وجہ سے اس نے سگریٹ پینا بھی شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ وہ گھر کے سودے میں سے پیسے چُرانے لگا۔

فہمیدہ کو جب یہ معلوم ہُوا تو اُسے بہت دُکھ ہوا۔ اس نے بڑی روک ٹوک کی۔ اس نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کی کہ واجد کن دوستوں میں اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ فہمیدہ نے اپنے شوہر کو بھی واجد کے بارے میں بتایا۔

یہ سُن کر واجد کے والد نے اُس پر سختی شروع کر دی۔

کچھ دنوں کے بعد فہمیدہ کے شوہر ملازمت سے رِٹائر ہو گئے۔ انھوں نے سوچا کہ پینشن کے پیسوں سے کوئی کاروبار کر لیں اور واجد کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیں۔ یہ سوچ کر وہ ایک دن اپنی پینشن کی رقم بینک سے نکال کر گھر لے آئے تاکہ دوسرے دن وہ دُکان خرید لیں اور اپنا کاروبار شروع کر دیں۔

واجد چوں کہ نشے کا عادی ہو چکا تھا مگر اسے بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے ایک رات جب گھر والے سو رہے تھے وہ نشے کے لیے گھر کا دروازہ کھُلا چھوڑ کر دوستوں کے پاس چلا گیا۔ اتفاق سے اُس رات کچھ چور گھر میں گھُس گئے اور گھر کا صفایا کر دیا۔ صبح جب فہمیدہ اور اس کے شوہر اُٹھے تو معلوم ہُوا کہ چور ساری رقم اُڑا لے گئے ہیں۔ اب تو صدمے سے ان کا بُرا حال تھا۔ ساری عُمر کی کمائی غائب تھی۔ واجد بھی اپنی حرکت پر سخت شرمندہ تھا۔ کاش واجد کو والدین کی نصیحت کا پہلے احساس ہو جاتا اور پُورا خاندان تباہ ہونے سے بچ جاتا۔

مشق

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

(الف) فہمیدہ کیسی عورت تھی؟

(ب) فہمیدہ کو کس بات کا خیال رہتا تھا؟

(ج) اسکول میں واجد اور زاہد کا کیا جی چاہتا تھا؟

(د) فہمیدہ واجد اور زاہد کو جیب خرچ کیوں نہیں دیتی تھی؟

(ہ) واجد کی نشے کی عادت نے کیا نقصان پہنچایا؟

مندرجہ ذیل عبارت کو مکمل کیجیے۔

(۱) فہمیدہ کے شوہر ______________________________

(۲) اُس رات ______________________________

(۳) اپنی ______________________________

(۴) واجد نے ٹھیلے والوں سے ______________________________

(۵) واجد نے گھر کے سودے میں سے ______________________________

(۶) اس سبق سے ہمیں کیا نصیحت ملتی ہے؟

دُعا

چمن ہوں چاند جیسے، کھیتیاں ہوں کہکشاں جیسی
زمیں اپنے وطن کی ہو الٰہی آسماں جیسی

وطن کا ذرّہ ذرّہ رنگ و شادابی کی دنیا ہو
اُجالا ہو سحر جیسا، فَضا ہو گلستاں جیسی

وطن کی روشنی سے ساری دُنیا جگمگا اُٹّھے
چمک ہو اس کی پیشانی میں مہرِ ضَوفشاں جیسی

مسافر یوں چھُوئیں منزل کو، جیسے موج ساحل کو
ہمارے پاؤں کی رفتار ہو آبِ رواں جیسی!

وہ ہمّت دے، کریں اس کی حفاظت ہم دل و جاں سے
یہ خِطّہ ہم کو دِل جیسا، یہ دھرتی ہم کو جاں جیسی

عاصی کرنالی

مشق

۱۔ شاعر کے اپنے وطن کے بارے میں کیا خیالات ہیں؟
۲۔ شاعر نے اپنے وطن کو کن کن چیزوں سے تشبیہ دی ہے؟
۳۔ شاعر نے دُعا میں کیا کیا چیزیں مانگی ہیں؟
۴۔ پہلے، دوسرے اور پانچویں شعر کا مطلب لکھیے۔
۵۔ پوری نظم کا خلاصہ آسان زبان میں لکھیے۔
۶۔ ان الفاظ کی وضاحت کیجیے: چاند جیسا، رنگ و شادابی کی دُنیا، سحر جیسا۔
۷۔ اس نظم میں بعض الفاظ ایک دوسرے کی ضد کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ انھیں تلاش کر کے لکھیے۔
۸۔ آخری شعر کے اسمائے اشارہ کاپی میں لکھیے۔
۹۔ چمن، باغ اور گلشن مترادف الفاظ ہیں آپ جنگل اور گھر کے دو دو مترادفات لکھیے۔
۱۰۔ مندرجہ ذیل عبارت میں اسمائے علم تلاش کر کے انھیں قسم وار اپنی کاپی میں لکھیے۔

"مُنّی کو اپنی کتاب میں ابنِ بَطُّوطَہ کا سبق بڑا پسند آیا، اس نے وہ سبق اپنے بھائی عبداللہ کو بھی پڑھوایا اُس کے بدلے عبداللہ نے اسے لسان العصر حضرت اکبر الٰہ آبادی اور سر اسحاق نیوٹن کے وہ سبق پڑھوائے جو اُسے اس ہفتے اسکول میں پڑھائے گئے تھے۔

سب طلبہ مل کر دُعا مانگیں:

پروردگارِ عالم! ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں کہ آج ہم نے اپنی ساتویں کی کتاب ختم کرلی۔

ربِّ کریم! ہمیں توفیق دے کہ جو باتیں ہم نے اس کتاب میں پڑھی ہیں، اُن پر عمل کر کے اچھے انسان بنیں۔

یا اللہ! ہمیں علم کی دولت سے مالا مال کر، نیکی کی توفیق عطا فرما اور برائیوں سے بچا۔

اے مالک! ہمیں اپنے پیارے مُلک پاکستان اور اپنے پاکستانی بھائیوں اور تمام دُنیا کے مسلمانوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

مولا! ہمارے ماں باپ، اساتذہ، بہن بھائی اور دوستوں کو دین و دُنیا کی نعمتوں سے نواز، انھیں ایمان، عملِ صالح، امن، سلامتی اور صحت کی دولت عطا فرما۔ آمین یا ربّ العالمین

تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ
منظور شدہ: وزارت تعلیم (شعبہ نصاب) حکومت پاکستان، اسلام آباد
بطور واحد نصابی کتاب برائے مدارس صوبہ سندھ

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد　　کشورِ حَسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان　　ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین، شاد باد

پاک سرزمین کا نظام　　قوتِ اُخوتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت　　پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچم ستارہ و ہلال　　رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال　　جانِ اِستقبال
سایۂ خُدائے ذُوالجلال

کوڈ نمبر ایس ٹی بی-٦

سلسلہ وار نمبر SPECIMEN

قیمت	تعداد اشاعت	ایڈیشن	تاریخ اشاعت
25.95	60000	اول	فروری 1999ء